انفسکم لا یضرکم من ضل اذا اھتدیتم

طلوعِ اسلام

ایک ملی اسلامی مجلہ
طلوعِ اسلام

~~نومبر ۱۹۳۸ء~~

اقبال کی ... ۔ ص ۲ اکتوبر ۱۹۳۱

LIBRARY
IQBAL ACADEMY
Book No. 31254

۱۔ پیام اقبال ... ۔ ص ۱۲
۲۔ تفسیر اسرار خودی ۔ ۶۵
۳۔ ...

بیادگار حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلامی حیاتِ اجتماعیہ کا ماہوار مجلہ!

طلوعِ اسلام

دہلی

ACADEMY PAKISTAN
31256

دورِ جدید

مرتب
محمد عثمان

بدل اشتراک
پانچروپیہ سالانہ
فی پرچہ ۸/

جلد (۱) شمارہ ۷ رمضان المبارک ۱۳۵۷ھ مطابق ماہ نومبر ۱۹۳۸ء

فہرست مضامین

۱	گوہر ہائے نایاب	علامہ اقبالؒ کی غیر مطبوعہ رباعی	۳
۲	لمعات		۴ - ۱۱
۳	پیامِ اقبالؒ اور قرآن کریم	چودہری غلام احمد صاحب پرویز بی اے	۱۲ - ۱۶
۴	مرکزیت	"	۱۷ - ۳۳
۵	حقائق و عبر	رازی	۳۴ - ۴۸
۶	ملت بے امام (نظم)	اسد صاحب ملتانی	۴۹
۷	مسلمانوں کا سیاسی مسلک	مولانا ابوالکلام آزاد	۵۰ - ۵۶
۸	قرآن اور قرآنی دلائل	ادارہ	۵۷ - ۶۴
۹	تفسیر اسرارِ خودی	خان محمد یوسف خان صاحب سلیم چشتی	۶۵ - ۶۸
۱۰	علامہ اقبالؒ کے مسلک سے اختلاف؟	خواجہ عبدالحفیظ صاحب بی اے	۶۹ - [illegible]
۱۱	معارف القرآن	چودہری غلام احمد صاحب پرویز بی اے	۸۱ - ۹۶

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مرکزِ ملت ← لا الٰہ الا اللہ / محمد رسول اللہ → مرکزِ ملت

فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینہم ثم لا یجدوا فی انفسہم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما

مرکزی فیصلوں کی اطاعت ہی ایمان ہے،

یا ایہا الذین امنوا

اعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا
اللہ کی رسی کو سب ملکر مضبوطی سے تھام لو اور اس سے علیحدہ نہ ہو

استجیبوا للہ وللرسول اذا دعاکم لما یحییکم
مانو اللہ اور رسول کی جب تمہیں ان کے طرف بلائے جو تمہیں زندگی عطا کرتی ہو

یعنی

مرکز کی اطاعت اور جماعت پیدا کرو

اس لیے کہ

جماعت سے علیحدہ ہوا وہ جہنم میں گیا — جماعت کے بغیر اسلام کچھ نہیں!

الجماعۃ من شذ شذ فی النار (ارشاد رسول) — لا اسلام الا بالجماعۃ (قول حضرت عمرؓ)

(اقبال)

چیست ملت اے کہ گوئی لا الٰہ — با ہزاراں چشم بودن یک نگاہ

بگذر از بے مرکزی پائندہ شو

رازِ مستور

چوں رختِ خویش بر بستم ازیں خاک
ہمہ گفتند با ما آشنا بود
و لیکن کس ندانست ایں مسافر
چہ گفت و با کہ گفت و از کجا بود

(اقبالؔ)

گہر ہائے نایاب

حضرت علامہ اقبالؒ کی غیر مطبوعہ رُباعی

مسلماناں کہ خود را فاش دیدند
بہ ہر دریا چوں گوہر آرمیدند
اگر از خود رمیدند اندریں دیر
بجانِ تو اگر مرگ خود خریدند

(اقبال)

لمعات

گزشتہ مہینہ کا اہم ترین واقعہ یورپ کی ایک چھوٹی سی ریاست چیکوسلاویکیا کا قضیہ ہے جس نے زمانۂ "عہدِ جہالت" کے تغلب اور استبداد کی یاد تازہ کردی ہے، بلکہ موجودہ دورِ تہذیب کی سیاسیات اور آئینِ جہانبانی کے اہم ترین گوشے بھی روشن کردیئے ہیں۔

غافل دُنیا اس قلیل عرصہ میں سوتی اور جاگتی رہی، ادھر غریب چیکوسلاویکیا کا کام ہی تمام ہوگیا۔ واقعات تیار رہے تھے۔ کہ حشر برپا کرنے والی جنگ چھڑ گئی اور یورپ اپنے ہی ہاتھوں اپنی گردنیں کاٹ کر رکھ دیگا مگر بھلا ہو "ثالث بالخیر" کا جس نے اپنے روائتی تدبر سے کام لے کر محض اپنے بچاؤ کے لئے مداخلت کی اور چیکوسلاویکیا کو جرمنی کے ہاتھوں ذبح کرا دیا۔ حیرت ہے کہ دُنیا اس "ثالث بالخیر" کی تعریف میں رطب اللسان ہے وہ ثالث بالخیر جس کا مذہب، مکر و دغا کرنا، جس کا مشرب دوست بن کر گلا گھوٹنا اور جس کی عادتِ شریفہ مسکرا کر اور دل لبھا کر سینہ میں چھری بھونکنے کے سوا اور کچھ نہیں ہے!

زیکوسلاویکیا کا انقلاب اپنے پیچھے عبرت و موعظت کی اتنی داستانیں چھوڑ گیا ہے کہ ہندوستان کی اکثریت اور اقلیت، ہندو اور مسلمان، کانگریس اور مسلم لیگ اور ہر قوم و جماعت کو اُسکے آئینہ میں اپنے خدوخال پورے طور پر نظر آنے لگے ہیں، قائدِ ملت مسٹر جناح نے لیگ کانفرنس منعقدہ کراچی میں تقریر کرتے ہوئے بجا ارشاد فرمایا کہ:۔

"چیکوسلاویکیا سے سوڈٹین جرمنوں کے واقعہ سے برطانیہ اور کانگرس ہائی کمانڈ (قیادت اعلیٰ) کو سبق حاصل کرنا چاہیئے جس طرح سوڈیٹن کے جرمن بے یار و مددگار ثابت نہ ہوئے اسی طرح ہندوستان کے مسلمان بھی بے پناہ نہیں ہیں"۔ (ہندوستان ٹائمز ۸ اکتوبر)

پنڈت جواہر لال نہرو جو یورپ میں بیٹھے ہوئے بہت قریب سے اس واقعہ کا مطالعہ فرما رہے تھے انہوں نے بھی یہی کہا کہ:۔

> چیکوسلاویکیا کے اندوہ گیں واقعہ میں ہندوستان اور اس جیسے دُور کے ممالک کے لیے ایک ایسا سبق ہے جسکو وہ کبھی نہ بھولیں گے "(ہندوستان ۹ راکتوبر ۳۸ء)

ہے کہ فرینڈس ہاؤس لندن میں تقریر کرتے ہوئے آنریبل مسز وجے لکشمی پنڈت وزیر صحت حکومت یوپی نے یہ بھی فرمادیا کہ:۔

> چیکوسلاویکیا کی قسمت کے فیصلے نے ہمارے اس ارادہ کو اور زیادہ پختہ کردیا ہے کہ ہم اپنا مقصد حاصل کرلیں اور ایک ایسی حکومت سے جسکا نصب العین ہمارے نصب العین سے بالکل مختلف ہو پوری طرح پر قطع تعلق کرلیں" (ہندوستان ۹ راکتوبر ۳۸ء)

ایک ایسا واقعہ جو سراپا عبرت و موعظت ہو اسکو تفصیل کے بغیر چھوڑ دینا ناظرین کرام پر یقیناً ظلم ہوگا اس واقعہ میں جو چیز ہمارے لیے سبق آموز اور نمونہ عمل ہے، وہ مسز وجے لکشمی کے الفاظ میں یہ ہے کہ "ایک ایسی حکومت سے جسکا نصب العین ہمارے نصب العین سے بالکل مختلف ہو پُوری طرح قطع تعلق کرلیا جائے" واقعہ یہ ہے کہ اس علاقہ میں مدتوں سے مختلف قومیں آباد ہیں۔ چیک سلاوا اور دیگر قومیں جو وطنی اتحاد کے باعث اپنے آپ کو ایکدوسرے سے علیحدہ سمجھتی نہیں ان میں وطن کے سوا اور کوئی اختلاف نہ تھا۔ انکی تہذیب ایک ہے۔ تمدن ایک ہے مذہب ایک ہے۔ نظریات وافکار میں اختلاف کو بہت کم دخل ہے۔ گویا ان میں اختلاف سے زیادہ اتفاق و ائتلاف کے عناصر موجود تھے، اسی بنا پر انھوں نے جنگِ عظیم کے بعد یہ تجویز کیا کہ ہم سب ملکر ایک "متحدہ قومیت" کی لڑی میں منسلک ہوجائیں چنانچہ ایسا ہوا اور انکا مجموعہ چیکوسلاویکیا کے نام سے ظہور میں آیا لیکن بعد کے حالات نے بتلادیا کہ "متحدہ قومیت" کی تشکیل کا نتیجہ کیا ہوتا ہے اور اقلیت اور اکثریت کے امتزاج سے جو قومیں ایک قوم میں تحلیل ہونیکی کوشش کرتی ہیں۔ انکو اسکا خمیازہ کس طرح بھگتنا پڑتا ہے

چیکوسلاویکیا کی قوموں کا تمدن اور تہذیب ایک ہے مذہب و مشرب (عیسائیت) ایک ہے ان میں آپس میں بیاہ شادی کا بھی رواج ہے یہاں تک کہ چیکوسلاویکیا کے کابینہ میں سوڈیٹین جرمنوں کے تین وزیر

بھی شامل تھے اسکے باوجود وہاں نہ تو "متحدہ قومیت" کی تشکیل عمل میں آئی اور نہ جرمن قوم نے اسکے ماتحت رہنا قبول کیا، چیکوسلاویکیا نے جرمن اقلیت کی دل داری کی اور انکو وہ تعلیمی سہولتیں بہم پہونچائیں جو خود اصلی باشندوں کو بھی حاصل نہ تھیں تاہم وہاں انقلاب ہوا اور سوڈٹین جرمنوں نے آزاد ہو کر دم لیا۔ یورپ نے یہ اصول تسلیم کرلیا ہے کہ جس علاقہ میں پچاس فیصدی سے زائد کسی خاص قوم کی آبادی ہو اس قوم کو اپنی حکومت قایم کرنے کا حق حاصل ہوجاتا ہے۔ اسی اصول کی بنا پر سوڈٹین جرمنوں کو یہ حق دیا گیا ہے اور وہ اپنی مرضی سے جرمن کے ساتھ مل گئے ہیں۔ اسی طرح اسی علاقہ کے پولش باشندے پولینڈ سے ملگئے ہیں اور سلاوا قوم اس کوشش میں ہے کہ اس اصول کے ماتحت آزاد ہو جائے اور اپنی حکومت قایم کرلے!

خدا کی شان! ہندوستان کا ہندو ہمیشہ مسلمانوں کو یہ کہہ کر خاموش کردیا کرتا تھا کہ دیکھو! یورپ میں اقلیتوں کو اکثریت کے ماتحت رہنا پڑتا ہے، مگر سوڈٹین جرمنوں کی علیحدگی نے ثابت کردیا کہ جس قلعہ کو ناقابل تسخیر سمجھا جاتا تھا وہ بیت عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور نکلا! بیچارے ہندوؤں کا یہ قلعہ بھی پاش پاش ہوا اب اگر اسی اصول کی بنا پر مسلمان بھی یہ مطالبہ کریں کہ چونکہ شمالی ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد پچاس فیصدی سے زیادہ ہے اس لیے انہیں بھی یہ حق دیا جائے کہ وہ اپنا وفاق (فیڈریشن) علیحدہ قایم کرلیں اور باقی قومیں اپنا الگ، تو اس مطالبہ کو حق و انصاف کی رو سے کون ناجائز بتا سکتا ہے؟ اگر اس حل کو متفقہ طور پر تسلیم کرلیا جائے اور پچاس فیصدی سے زیادہ آبادی کو یہ حق دیدیا جائے، تو تمام بین الملی جھگڑے آن کی آن میں ختم ہوسکتے ہیں۔ مسلم فیڈریشن الگ ہو اور باقی قوموں کا الگ اور پھر ان وفاقوں میں معاہدہ بھی ہوجائے تو اقلیتوں کے مسائل کا فوراً ابیڑا پار ہوسکتا ہے۔ مسلمان اپنے صوبوں میں سیاسی نقطہ نظر سے نہیں کیونکہ سیاست کو بدلتے دیر نہیں لگتی، بلکہ مذہبی اعتبار سے اقلیتوں کے حقوق کے محافظ ہونگے۔ انکا مذہب آزاد ہوگا۔ انکے معابد آزاد ہونگے اور انکار ذوال روال آزاد ہوگا۔ اگر مسلمان ایسا نہیں کرینگے تو وہ سب سے پہلے اپنے اعمال سے اسلام کو رسوا کرینگے۔ کیونکہ اسلام نے غیر مسلموں کے ساتھ انصاف و رواداری، عدل گستری اور نصفت شعاری کا حکم دیا ہے۔ اگر ہندوؤں کے صوبوں میں مسلم اقلیت کو تکلیف پہونچے تو آبادی کے مبادلہ کی شکل عمل میں آسکتی ہے۔

خوشی کا مقام ہے کہ مُسلم فیڈریشن کے قیام کی حمایت میں ایک آواز حیدرآباد دکن سے اُٹھی ہے اور ڈاکٹر عبداللطیف صاحب نے اِس نظریہ کی تائید کرتے ہوئے اسکو تمام اختلافات کا واحد حل قرار دیا ہے اسی طرح سندھ مسلم لیگ کے اجلاس میں بھی اسی قسم کی ایک تجویز منظور ہوئی ہے جس میں اتنا اضافہ اور ہے کہ مُسلم فیڈریشن کو یہ حق بھی دیا جائے کہ وہ باہر کی اسلامی حکومتوں کو بھی اِس میں شامل کر سکیں۔ ہمیں دیگر اُمور سے صرف نظر کر کے یہ دیکھنا چاہیئے کہ اسلامی فیڈریشن کے قیام کا مطالبہ کہاں تک صحیح ہے اور ہندو مسلمانوں کے مذہبی اور سیاسی مفادات کا تحفظ اسکے ذریعہ کہاں تک ہو سکتا ہے؟ ایکطرف ہماری سرزمین میں ہندو ہیں اُن کی اکثریت ہے، انکا قومی ادارہ "انڈین نیشنل کانگرس" ہے، اُن کی اسلام سوز مساعی ہیں اسلامی تہذیب و تمدن کو مٹانیوالا ولولہ ہے، اتحاد اسلامی اور اسلامی تنظیم اُنکے نزدیک "متحدہ قومیت" کی تشکیل میں ایک بڑی رُکاوٹ ہے، اُردو زبان کو مٹا کر مُردہ زبان سنسکرت کو زندہ کرنا ان کی قومی زندگی کا نصب العین بنگیا ہے۔ "جُملہ مذاہب کی سچائی" کے پردہ میں گاندھی جی اسلامی عقائد کی صلابت اور ایمان کی چٹان کو نرم اور کمزور کرنے پر تُلے ہوئے ہیں اور دوسری طرف مسلمانوں کی اقلیت ہے اُنکے نظریات زندگی اکثریت سے الگ ہیں۔ انکا نصب العین الگ ہے۔ اُنکے معاشی اور معاشرتی زاویہائے نگاہ الگ ہیں اُن کے قلب و دماغ کی ساخت جُداگانہ ہے۔

ان حالات میں اگر مُسلمان یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ جن صُوبوں میں مُسلمانوں کی آبادی پچاس فیصدی سے زیادہ ہے وہاں اُن کو یہ حق دیا جائے کہ وہ اپنا علیحدہ وفاق قایم کرلیں اور ان صوبوں کے لیے بھی اسی حق کو تسلیم کریں جہاں ہندوؤں کی اکثریت ہے تو اس میں ظلم و سازش کی کون سی بات ہے؟ مُسلمان کا نصب العین ہندو کے نصب العین سے بالکل جُدا ہے، مُسلمان صرف خدا کی حکومت چاہتا ہے انسانی حکومت انکے نزدیک کُفر ہے۔ مسلمان کی سیاست کا مدار صرف "روٹی" نہیں ہے بلکہ وہ مکارم اخلاق اور زندگی کا وہ بلند نظریہ ہے جو ہر زمانہ میں فاروق اعظم جیسا عادل و مُدبر، خالد بن ولید جیسا شجاع و بہادر اور صلاح الدین جیسا اولوالعزم اور غیر تمند پیدا کرتا رہے، ہندو کا نصب العین صرف "روٹی" ہے، اقلیتوں کا خون چوس کر اپنی زندگی کو برقرار رکھنا اور قومیت کے جغرافیائی تخیل کو نشو و نما دے کر انسانیت کی عظمت کو

خاک میں ملانا ہے۔ ان حقائق کو سامنے رکھ کر اگر ہم مسز وجے لکشمی پنڈت کے الفاظ میں یہ عرض کریں کہ ہمیں جرأت کرنی چاہیئے کہ "ایک ایسی حکومت سے جس کا نصب العین ہمارے نصب العین سے بالکل مختلف ہو پورے طور پر قطع تعلق کر لینا چاہیئے"

تو فرمایئے کہ یہ کون سا جرم عظیم ہے جس کی پاداش میں ہمیں حوالۂ دار و رسن کیے جانے کا فتویٰ دیا جاتا ہے

فلسطین میں یوں تو ۱۹۳۱ء سے انقلاب کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں مگر ۱۹۳۷ء سے اس پر جو قیامت توڑی جا رہی ہے وہ بیان سے باہر ہے اور ۱۹۳۸ء میں اب تک کے حالات تو اس قدر دردناک ہیں کہ ان کے صرف تصور سے ہی روح کانپنے لگتی ہے۔ فلسطین کے عربوں کی تباہی کا اندازہ اس سے لگایئے کہ جنین جیسا تاریخی شہر اور اس شہر کا ایک ایک مکان برطانوی فوج نے ڈائنامیٹ سے اُڑا دیا اور اب وہاں مٹی کے ڈھیر کے سوا اور کچھ باقی نہیں ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کوئٹہ کی طرح کوئی زلزلہ آیا اور پورے شہر کو زیر و زبر کر گیا۔

ان حوادث سے کون سا شریف دل ہے جو متاثر نہ ہو؟ عربوں کا ملک اور ملک میں عربوں اور مسلمانوں کے مذہبی اور تاریخی آثار، عربوں کی اکثریت اور عرب بھی وہ جنہوں نے جنگ عظیم میں برطانیہ کا ساتھ دیا، آج کس طرح بارود کے شعلوں سے بھسم کیے جا رہے ہیں۔ عربی ممالک ارض قدس کے حوادث سے سخت متاثر ہیں۔ دنیا کا ہر مسلمان اُن پر ماتم سرا ہے۔ فلسطین کے یتیم بچے اور بیوائیں برطانیہ کی جان کو رو رہی ہیں مگر مہذب حکومت، علوم و سائنس کی حکومت، تہذیب انسانیت کا درس دینے والی حکومت زیادہ سے زیادہ سخت ہوتی ہی جا رہی ہے اور یہودیوں کی محبت میں، وہ یہودی جنہوں نے عیسائیوں کے "خداوند" کو سولی پر چڑھا کر ہلاک کیا تھا۔ برطانیہ نہ صرف اپنے وعدوں کو فراموش کر رہی ہے، بلکہ عقل و نقل کی پابندی سے آزاد ہو کر اس نے بین الاقوامی اخلاق اور آئین حکمرانی کا بھی گلا گھونٹ کر رکھ دیا ہے۔

حالات جب نازک سے نازک تر ہوتے گئے تو مصری پارلیمنٹ کے ایک رکن محمد علی علوبہ پاشا نے فلسطین کانفرنس کے انعقاد کا اعلان کیا اور دنیا کے مسلم نمائندوں کو اس میں شرکت کی دعوت دی۔ چنانچہ اکتوبر ۱۹۳۸ء کو قاہرہ میں یہ کانفرنس منعقد ہوئی جس میں حکومت عراق، حجاز، شام، لبنان، یمن، کے علاوہ مغرب اقصیٰ چین، ہندوستان، اور دیگر ممالک کے نمائندوں نے بھی حصہ لیا۔ کانفرنس میں وہی تجاویز منظور ہوئیں جو حکومت

عراق برطانیہ کے سامنے پیش کر چکی ہے - یعنی -

(۱) اعلان بالفور بنیادی طور پر باطل ہے اس کی تنسیخ عمل میں لائی جائے -

(۲) فلسطین میں ہجرت الیہود کے سلسلہ کو فوراً روک دیا جائے -

(۳) تجویز تقسیم فلسطین کو قطعی طور پر مسترد کر دیا جائے -

(۴) فلسطین میں دستوری حکومت قایم کیجائے جسمیں عربوں اور یہودیوں کی آبادی کے تناسب سے ارکان کا انتخاب عمل میں آئے

(۵) فلسطین اور برطانیہ میں دوستانہ معاہدہ منعقد ہو تاکہ انقلاب کی لعنت ختم ہو جائے -

(۶) سیاسی قیدیوں کو رہا کیا جائے اور ملک بدر لوگوں کو واپس بلایا جائے -

اس میں شک نہیں کہ فلسطین کی موجودہ مشکلات کا حل اسکے سوا اور کچھ نہیں کہ برطانیہ جلد سے جلد اپنی خطرناک پالیسی تبدیل کر کے ان تجاویز کو منظور کرلے - ہمیں یقین ہے کہ عربوں کا خون رائگاں نہیں جائیگا اور برطانیہ کو مجبور ہو کر ندامت کے ساتھ ان تجاویز کو منظور کرنا پڑے گا اچھا ہو کہ وہ عزت کے ساتھ اپنے پہلے ہی قدم میں اسے منظور کرلے -

مناسب ہوگا اگر ہم اس مقام پر برطانیہ کو چیکوسلاویکیا کے حالیہ انقلاب کا حوالہ دیں کیونکہ اسکے تصفیہ اور فیصلہ کا سہرا برطانیہ ہی کے سر ہے - چیکوسلاویکیا کے سوڈیٹن جرمنوں کو یہ حق دیدیا گیا ہے کہ وہ اپنی مرضی سے جس حکومت کے ساتھ چاہیں اپنا الحاق کرلیں - چنانچہ انھوں نے جرمنی کے ساتھ اپنا الحاق کرلیا - یہ اس لیئے کہ سوڈیٹن جرمنوں کی آبادی پچاس فیصدی سے زیادہ تھی - اگر برطانیہ کا منہ ایک ہے، دل و دماغ ایک ہے - حق و سچائی کا معیار بھی اسکے نزدیک ایک ہی ہے تو عربوں کو بھی یہ حق دیدے کہ وہ اپنی مرضی سے اپنے ملک کا جو فیصلہ چاہیں کرلیں کیونکہ فلسطین میں اب بھی انکی آبادی ۷۰ فیصدی سے زیادہ ہے - ہم جانتے ہیں کہ برطانیہ عربوں کے لیئے چیکوسلاویکیا کو معیار قرار نہ دیگی - کیونکہ سوڈیٹن جرمنوں کے متعلق تو ہر ہٹلر نے خود یہ کہا تھا کہ "سوڈیٹن فلسطین نباشد - یہاں کے جرمنی فلسطینی عربوں کی طرح بے یار و مددگار نہیں ہیں" مگر فلسطین کے لیئے یہ الفاظ کہنے والا اب تک کوئی پیدا نہیں ہوا لیکن ہمارے نزدیک تہذیب و شائستگی کے بلند بانگ دعاوی سے بہتر یہ ہے کہ برطانیہ ہر ہٹلر کی طرح کسی "مرد غیب" کا انتظار نہ کرے، بلکہ حق و انصاف کی خاطر عربوں کے حقوق تسلیم کرلے

کیونکہ مرد غیب پیدا ہو جانے کے بعد تو نہ انجن بماند نہ انجینیری۔

آل انڈیا کانگرس کمیٹی کے اجلاس منعقدہ دہلی میں ڈاکٹر اشرف صاحب کی تجویز کا جو ہندی اور ہندوستانی کے قضیہ کے متعلق تھی، جو حشر ہوا اس سے اتنا تو معلوم ہو گیا کہ کانگریسی ہندوؤں اور کانگریسی وزیروں کی اُردو دشمنی اور سنسکرت نوازی کے متعلق مسلمانوں میں جو شکوک پیدا ہو چکے ہیں وہ بے بنیاد اور باد ہوائی نہیں ہیں، بلکہ انکا خطرہ واقعات پر مبنی ہے، ایسے واقعات جنسے کانگرس کے بعض ارکان بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہے ڈاکٹر اشرف کی تجویز کوئی نئی تجویز نہ تھی، بلکہ کانگرس کی اس پالیسی کا اعادہ تھا جو وہ زبان و تہذیب کے بارے میں بارہا ظاہر کر چکی ہے۔ یعنی یہ کہ "کانگرس ہندوستانی زبان کو جو اردو اور دیوناگری رسم الخط میں لکھی جاتی ہے ہندوستان کی قومی زبان مانتی ہے" مگر "اشرف" کے نام سے ناجائز فائدہ اٹھا کر کانگریسی ہندوؤں نے جس طرح کانگرس کی "منظور شدہ" پالیسی کی مٹی پلید کی اور جس انداز میں اسکا مذاق اُڑایا وہ نہ صرف افسوسناک ہے بلکہ اس قابل ہے کہ ہندوستان کا ہر انسان اسپر بار بار غور کرے اور یہ دیکھے کہ کانگریسی ہندو کس طرح مسلم آزاری اور اسلام دشمنی پر تُلا ہوا ہے۔ اگرچہ مولانا ابوالکلام آزاد نے (جو اتفاق سے جلسہ کے صدر تھے) یہ اعلان بھی فرما دیا تھا کہ ہم اس تجویز سے بالکل متفق ہیں اگر ڈاکٹر اشرف صاحب اسکے دوسرے حصہ کو (جس کا تعلق ہندوستانی بورڈ کے تقرر سے تھا) واپس لے لیں تو ورکنگ کمیٹی کو اس قرارداد پر کوئی اعتراض نہ ہوگا تاہم کانگرس کے اجارہ داروں نے اصل تجویز کو مسترد کر دیا جسکے صاف معنی یہ ہیں کہ ہندو اُردو زبان اور اُردو رسم الخط کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں اور کانگرس کی منظور شدہ پالیسی ایک وقتی چیز ہے جس کو ہندو جذبات کا سیلاب ہر وقت بدل سکتا ہے جب اصل تجویز کانگریسی ہندوؤں کے ہاتھوں ذبح کر دی گئی تو ورکنگ کمیٹی کو ہوش آیا اور اُسنے نہایت ہوشیاری سے یہ قرارداد منظور کی۔

"ورکنگ کمیٹی کو افسوس ہے کہ آل انڈیا کانگرس کمیٹی کے اجلاس میں ہندوستانی زبان کے متعلق ڈاکٹر اشرف کی قرارداد بعض اُلجھنوں کیوجہ سے مسترد ہو گئی لیکن اس قرارداد کے مسترد ہو جانے سے کانگریس کے رد یہ پر جسکی وضاحت کانگرس کے دستور العمل میں کیگئی ہے کوئی اثر نہیں پڑتا۔"

گویا آل انڈیا کانگرس کمیٹی جس اصول سے انحراف کر کے بغاوت کر سکتی ہے ورکنگ کمیٹی اسکا علاج یہ

تجویز کرتی ہے کہ اسپر صرف "افسوس" کا اظہار کردے اور باغیوں سے یہ بھی نہ پوچھے کہ تمنے کانگرس کی جانی بوجھی ہوئی اسکیم سے انحراف کیوں کیا اور کانگریسی ہوکر کانگریس سے کیوں بغاوت اختیار کی؟

۸۰ ستمبر کو سی پی اسمبلی میں مسٹر ہدایت علیخاں اور خاں صاحب ایم آر خاں نے ایک تجویز پیش کی کہ اسمبلی کی منظور شدہ زبانوں میں (جو صرف ہندی اور مرہٹی تک محدود ہیں) اردو کو بھی شامل کیا جائے، انھوں نے یہ بھی کہا کہ کراچی میں کانگریس نے اس بات کا وعدہ کیا ہے کہ وہ اقلیتوں کی زبان وتہذیب کی حفاظت کریگی اگر کانگریسی چاہتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کا اعتماد حاصل کریں تو انہیں کراچی کے اس ریزولیوشن کو فراموش نہ کرنا چاہئیے! اسکا جو جواب مسٹر مہتہ وزیر مالیات نے دیا، اُسے سُنکر حیرت ہوگی۔ آپنے فرمایا:۔

"جو لوگ کانگریس کو قومی ادارہ تسلیم نہیں کرتے انہیں کیا حق ہے کہ کراچی رزولیوشن کا حوالہ دیں، اور کانگریسی حکومت کو اسکی طرف توجہ دلائیں۔" (ہندوستان ٹائمز یکم اکتوبر ۱۹۳۸ء)

اس اعلان کے بعد اب چاہئیے کہ کانگریس کے اعلان آزادی اور کراچی رزولیوشن کو کہ اگر آپ کانگریس کے اعلان سے فائدہ اُٹھانا چاہتے ہیں تو کانگریس کو ہندوستان کا "قومی ادارہ" تسلیم کریجئے اور اس میں شامل ہوجائیے اگر آپ شامل نہیں ہوتے تو کانگریس اور کانگریسی حکومتیں رزرِ روشن میں آپکی تہذیب وزبان کو مٹائیں گی آپکے مذہب میں مداخلت کریں گی اور قدم قدم پر آپکے راستہ میں حائل ہونگی اور آپکو چپ چاپ یہ سب کچھ برداشت کرنا پڑیگا! کانگریس نے کراچی کے اجلاس میں جو تاریخی اعلان کیا تھا وہ اعلان جس کا ہر موقعہ پر حوالہ دیا جاتا ہے اور خود کانگریسی مسلمان اسکے ذریعہ مسلمانوں کو فریب دینے کی کوشش فرمایا کرتے ہیں، وہ اس لیے نہیں تھا کہ کانگرس سے باہر کی اقلیتوں کو اطمینان دلائے کہ انکا مذہب۔ ان کی زبان اور تہذیب محفوظ رہیگی بلکہ اسلیے تھا کہ جو لوگ کانگرس کے سایہ تلے آتے رہیں ان کو یہ تحفہ دیدیا جائے اور یہ ظاہر ہے کہ جو شخص "متحدہ قومیت" کے تصور کو لیکر کانگریس میں جائے گا اُسکے لیے یہ تحفظات کوئی قیمت نہیں رکھتے اور نہ کانگریس میں داخل ہونے کے بعد مذہب اور زبان کے سوالات کسی کے دماغ کو پریشان کرسکتے ہیں! کاش! کانگرس بھی مسٹر مہتہ کیطرح اپنے "اعلان حقوق" میں اس شرط کا اور اضافہ کردے تاکہ جو لوگ ابتک اسکے جال میں گرفتار ہیں انپر کانگریس کی طرف سے نہیں، بلکہ ہماری طرف سے اتمامِ حجت ہوجائے اور انہیں معلوم ہوجائے کہ وہ مخفی صد درہم اکبر میں کتنی تقسیم کے،

پیامِ اقبال اور قرآن کریم

(از جناب چودہری غلام احمد صاحب پرویز بی اے ہوم ڈیپارٹمنٹ
نئی دہلی)

تمہید:-

باوجودیکہ قرآن کریم میں باعتبار بلاغت ہر وہ حسن موجود ہے جو ایک بہترین شعر میں ہونا چاہیے۔ متعدد مقامات پر اِس امر کی وضاحت کیگئی ہے کہ قرآن کریم شاعری نہیں۔ رسولِ اکرم شاعر نہیں :-

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِيْ لَهٗ - اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ $\frac{۳۶}{۶۹-۷۰}$

اور ہم نے اُس (رسول) کو شاعری نہیں سکھائی اور نہ ہی یہ اسکے شایانِ شان تھی بلکہ یہ تو ایک (فطرت کے بُھلائے ہوئے سبق کی) یاددہانی ہے۔ اور کھُلا کھُلا قرآن (اور اس کا کام یہ ہے کہ) ہر اُس شخص کو جس (کے خون میں) زندگی کی تڑپ موجود ہو (فطرت کے اٹل قوانین سے) آگاہ کردے اور نہ ماننے والوں پر (اُن کی ہلاکت وبربادی سے پیشتر) اتمام حجت ہو جائے۔

اِس سے معلوم ہوگیا کہ قرآن کی رُو سے محض "شاعری" کیوں کسی پیغمبر کے شایان شان نہ تھی۔ اور ایک رسول[۱] کا پیغام شعر کی تمام لطافتیں اپنے اندر رکھتے ہوئے کس طرح "شعر" سے مختلف ہوتا ہے۔ اِس لیے کہ وہ پیغام جس کا سرچشمہ خدائے حیّ وقیّوم کا علمِ ازلی ہوتا ہے اُس کی مابہ الامتیاز خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ قوموں کے عروقِ مُردہ میں خونِ زندگی دَوڑا دے۔ مُردوں کی بستی میں صورِ اسرافیل پھونکدے۔ یہی خصوصیت ہے جسکے لیے نوعِ انسانی کو قرآن کیطرف دعوت دی جاتی ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ $\frac{۸}{۲۴}$

---

[۱] وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى - اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى

اے ماننے والو! اللہ اور اُسکے رسُول کی دعوت پر لبیک کہا کرو جب وہ تمہیں اُس

چیز کیطرف بلاتا ہے، جو تمہیں زندگی بخشتی ہے۔

شعر اور قرآن کے اس نمایاں فرق کو ایک دوسری جگہ یوں بیان کیا گیا ہے کہ عام شاعروں کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ:۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِیْ كُلِّ وَادٍ یَّهِیْمُوْنَ وَ اَنَّهُمْ یَقُوْلُوْنَ مَا لَا یَفْعَلُوْنَ ۲۶/۲۲۶-۲۲۵

وہ یونہی اِدھر اُدھر صحرا نوردیاں اور دشت پیمایاں کرتے پھرتے ہیں۔ اور اُنکے قول و

فعل میں۔ قلب و زبان میں، کبھی ہم آہنگی نہیں ہوتی

ظاہر ہے کہ جس شخص کے سامنے کوئی منزل مقصود ہوگی، زندگی کا کوئی منتہیٰ ہوگا اس کا ہر قدم ایک خاص سمت میں اُٹھے گا۔ اُس کا رُخ ایک خاص قبلۂ مقصود کیطرف ہوگا، برعکس اسکے جس شخص کے سامنے زندگی کا کوئی مقصد نہ ہوگا۔ کوئی منزلِ مقصود متعین نہ ہوگی وہ شُترِ بے مہار کیطرح جدھر مُنہ اُٹھائے گا چل دیگا۔ کبھی تخیلات کی اس حسین و جمیل وادی میں، کبھی تصورات کے اُس ہولناک اور بھیانک صحرا میں بمقصد پیشِ نظر صرف گرمیٔ سخن ہوگا، اور اس کی خاطر اکثر و بیشتر یہی کرنا پڑے گا کہ دل کچھ محسوس کرے اور زبان کچھ کہے۔ برعکس اسکے ایک شخص کے سامنے زندگی کا ایک خاص مقصد ہے اور وہ مقصد بھی اپنا متعین کردہ نہیں بلکہ وہ جو اُس قرآن کریم نے متعین کیا ہے جس پر اُسکا ایمان ہے، ایمان کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ انسان اپنے قلب و دماغ، اپنے جذبات و افکار کو اس چیز کے تابع رکھے جس پر اُسکا ایمان ہے، وہ سوچے تو اُسکی مدد سے، وہ سمجھے تو اُس کی روشنی میں۔ وہ دیکھے تو اُسکے نور سے۔ وہ حقائق کو پرکھے تو اسی کسوٹی پر۔ اور قبول کرے تو اس کو جو اُس کی رو سے قبول کیے جانے کے قابل ہو اور رد کرے تو اسکو جو اسکے نزدیک مردود ہو۔ اب اگر ایسا مردِ مومن اپنے خیالات کو (جو دراصل قرآنِ پاک ہی کے خیالات ہونگے) زبانِ شعر سے ادا کرے تو یہ شعرا کے اُس زمرے میں آجائے گا۔ جس کا استثنا، قرآن کریم نے اس آیت میں فرما دیا ہے جو مذکورہ صدر آیت سے متصل ہے۔

اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ ذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا وَّ انْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا

مگر وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں۔ اعمال صالحہ کرتے ہیں اور اللہ کو بہت یاد کرتے ہیں
اور اپنے آپ کی مدافعت اُسوقت کرتے ہیں جب اُن پر زیادتی کیگئی ہو۔ ؎

اقبالؔ اسی زمرہ میں شامل ہے۔ اور شعر اور قرآن فہمی کی جن بلندیوں پر وہ پہنچ چکا تھا، اُن کی رو سے بلا مبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ عالمِ اسلام نے اس سے پہلے کبھی ایسا شاعر پیدا نہیں کیا۔

لہٰذا اگر یہ دُرست ہے کہ کسی شاعر کے کلام میں عروسِ معنی کو بے نقاب دیکھنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ پہلے ان جذبات و خیالات کی تہ تک پہنچا جائے جن پر اُس کی شاعری کی اساس ہے اور اس سرچشمہ سے واقفیت حاصل کیجائے جو اُسکے تخیلات کا ماخذ ہے تو بلا تکلف کہا جاسکتا ہے کہ اقبالؔ کا کلام کما حقہٗ سمجھ میں نہیں آسکتا۔ جب تک قرآن کریم نگاہوں کے سامنے نہ ہو جو اس زاویۂ نگاہ سے پیغامِ اقبالؔ کو دیکھے گا۔ وہ جہاں ایکطرف یہ محسوس کرے گا کہ قرآن کریم انسان کو کن بلندیوں تک اُڑا کرلے جاتا ہے دوسری طرف یہ بھی دیکھے گا کہ حضرتِ علامہ قرآن کریم کے اہم حقائق اور دقیق مسائل کو کس خوبصورتی اور سلاست کے ساتھ ایک شعر میں حل کرکے رکھ دیتے ہیں۔ میں نے بھی ایک عرصہ تک اقبالؔ کو محض ایک شاعر کی حیثیت ہی سے دیکھا اور اُنکے کلام سے محض "شاعری" ہی کا لُطف اُٹھایا لیکن جب یہ حقیقت سامنے آگئی کہ کلامِ اقبالؔ کا سرچشمہ کیا ہے تو اسکے بعد ان کی شاعری کی نوعیت ہی بدل گئی اور پھر سمجھ میں آیا کہ اقبالؔ کیا کہتا ہے۔ کیوں کہتا ہے، اور کیسے کہتا ہے، اور یہ راز بھی کھُل گیا، کہ وہ کون سی شاعری ہے جسکے متعلق قرآن کریم نے کہا ہے کہ اس کا اتباع راہ گم کردہ لوگ ہی کرتے ہیں:-

وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ ○ ۲۶/۲۲۴

اور وہ کون سی جو اُس منزلِ مقصود کے لیے چراغِ راہ کا کام دیتی ہے جس کیطرف صراطِ مستقیم لے جاتا ہے۔ ایسا شاعر جسکے متعلق حضرتِ علامہؒ فرماتے ہیں:-

شاعر اندر سینۂ ملت چو دل	ملتے بے شاعرے انبارِ گِل
سوز و مستی نقشبند عالمے است	شاعری بے سوز و مستی ماتمے است

ؔ اس حصہ آیت سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ ایک اسلامی شاعر کو اپنی روش کب کیوں اور کن حالات کے ماتحت بدلنا پڑتی

شعر را مقصود اگر آدم گری است　　　شاعری ہم وارثِ پیغمبری است

بہرکیف یہ ہے وہ انداز جس سے میں نے حضرت علامہؒ کے کلام کو سمجھنے کی کوشش کی ہے میں نے قرآن کریم کو جس نوعیت سے سمجھا ہے اس کی اجمالی سی کیفیت آپ کو معارف القرآن کے اُن حصوں سے معلوم ہو گئی ہو گی، جو اس وقت تک "طلوع اسلام" میں شائع ہو چکے ہیں۔ قرآن فہمی کے اس اسلوب کی طرف میری رہنمائی کرنے میں جن گرانمایہ ہستیوں کے بارِ احسان سے میری گردنِ تشکر ہمیشہ نگوں سار رہے گی ان میں حضرت علامہ کی ذاتِ گرامی ایک ممتاز حیثیت رکھتی ہے، بارہا ایسا ہوا کہ میں قرآن کریم کے کسی مشکل مقام پر جا کر رک گیا تو حضرت علامہ کے ایک شعر نے ذہن میں ایک ایسی بجلی کی سی چمک پیدا کر دی۔ جس سے صحیح راستہ فوراً نگاہ کے سامنے آ گیا۔ دوسری طرف ایسا بھی اکثر ہوا کہ حضرت علامہ کے کسی شعر کے متعلق کچھ اُلجھاؤ سا پیدا ہوا تو کسی آیتِ قرآنی نے اپنے "تبسم" کے اعجاز سے قفلِ ابہام کو کھول دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرتِ علامہؒ کی صحیح عظمت ہی اس میں ہے کہ انھوں نے اس دور میں جب کہ مسلمان قرآن کریم سے بہت دُور ہو چکے تھے۔ اُنکے سامنے قرآنی تعلیم کو اس حسین و دلکش انداز میں پیش کیا کہ سعید روحیں اپنے بربطِ ہستی کے تاروں اور اس سازِ الست کے پردۂ دل میں ایک کھوئی ہوئی ہم آہنگی یوں محسوس کرنے لگ گئیں، جیسے دامنِ کوہسار کی چاند رات میں دُور سے بانسری کی ہلکی ہلکی آواز کسی بھولے ہوئے افسانے کی یاد تازہ کر دیتی ہے۔ قوم کے نوجوانوں کو مذہب سے چڑھ سی ہو چکی تھی۔ اور مذہب پرست طبقہ اُنکے کھلے ہوئے الحاد اور دہریت کی وجہ سے اُن کی طرف سے مایوس ہو چکا تھا، حضرت علامہؒ نے مذہب کو ایسے انداز میں پیش کیا کہ اس کی روح پھر سے اُنکے خون کے ذرّوں میں جذب ہو گئی۔ اور اس طرح وہ غیر محسوس طور پر قرآن کریم کے قریب لا کر کھڑے کر دیے گئے میں نے اکثر دیکھا ہے کہ ایک تعلیم یافتہ نوجوان جو مذہب سے بیگانہ ہی نہیں، بلکہ متنفر ہو چکا ہو لیکن کلامِ اقبال سے اسے کچھ ذوق ہو، اسکے سامنے اگر قرآن کریم کو اس کی اصلی شکل میں پیش کر دیا جائے تو وہ اسے ایک جانی پہچانی ہوئی چیز محسوس کرنے لگتا ہے۔ مجھے اس چیز کا نمایاں طور پر تجربہ ہوا ہے

کی تقریب پر ہوا، جہاں میں نے اپنے مقالہ کا موضوع "پیام اقبال اور قرآن کریم" رکھا تھا۔ میں ڈرتا تھا کہ تعلیم یافتہ نوجوانوں کے اجتماع میں یہ خشک موضوع شاید ہی درخورِ التفات سمجھا جائے، لیکن اُسنے جو فوری اثر وہاں پیدا کیا اور اسکے بعد جو نقوش باقی چھوڑے اس سے مجھ پر یہ حقیقت کھل گئی کہ حضرت علامہؒ غیر محسوس طور پر نوجوانوں کے طبقہ کو کس قدر قرآن کریم کے قریب لا چکے ہیں اب صرف اتنا کرنا باقی ہے کہ انہیں یہ بتایا جائے کہ حضرتِ علامہؒ نے جو کچھ کہا ہے۔ وہ قرآن کریم ہی کی ترجمانی ہے، اسی مقصد کے پیشِ نظر میں نے یہ سلسلہ شروع کیا ہے، یوم اقبال کی تقریب پر جو مقالہ میں نے پڑھا تھا۔ وہ اس سلسلہ کی پہلی کڑی ہے، اسکے بعد اور عنوانات بھی سامنے آتے جائیں گے، اس موضوع پر بہت کچھ میں نے لکھ لیا ہے اور ابھی بہت کچھ باقی ہے۔ سر دست یہ "طلوع اسلام" کے صفحات پر بالاقساط شائع ہوگا۔ اسکے بعد جو اللہ کو منظور۔ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْہِ اُنِیْبُ۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۔

سوراجی اسلام

یہ وہ کتاب ہے جسنے سیاسی دُنیا میں تہلکہ مچا دیا ہے اس میں بتایا گیا ہے کہ کانگریسی ہندو اب تک اسلام کے خلاف کیا کچھ کر چکے ہیں اور آئندہ کیا کرنیوالے ہیں۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے الہلال میں جن خیالات کا اظہار فرمایا تھا اور یہ بتایا تھا کہ مسلمانوں کو ہر بنائے مذہب اپنی سیاسی اور مذہبی تنظیم کرنی چاہیئے۔ کانگریس اور ہندوؤں کی پیروی انکے لیئے سم قاتل ہے وغیرہ وہ بلا کم و کاست "سوراجی اسلام" میں درج کر دیئے گئے ہیں اسکے علاوہ کتاب میں اسلام اور سیاست جماعت کی اہمیت جواہر لال نہرو کے خطرناک خیالات پر تنقید وغیرہ بہت سے مفید مضامین آ گئے ہیں۔ جنہیں دیکھ کر مسلمان اپنی سیاست کا آسانی سے فیصلہ کر سکتے ہیں

قیمت فی نسخہ دو آنہ (۲ر) محصول ایک نسخہ کے لیئے ۱ر

منیجر رسالہ طلوع اسلام بلیماراں دہلی

مرکزیت

اسلامی نظام کا عروۃ الوثقیٰ

(چودھری غلام احمد صاحب پرویز بی اے)

طلوع اسلام بابت ماہ اکتوبر میں حضرت مولانا محمد اسلم صاحب جیراجپوری مدظلہٗ کا مضمون "اسلامی نظام" شائع ہوا ہے، وہ صاحبِ نظر مسلمان جو موجودہ ھیئت اسلامیہ میں کوئی کمی محسوس کرتے تھے لیکن انہیں یہ نہیں معلوم ہو سکتا تھا کہ وہ کمی کیا ہے! وہ کون سا عنصر ہے جسکے گم ہو جانے سے ملتِ اسلامیہ ایک جسدِ بے روح بن چکی ہے؟ اُن پر یہ حقیقت واضح ہو گئی ہو گی کہ وہ جس متاعِ گم گشتہ کی تلاش میں تھے اُسکا سُراغ حضرت مولانا نے دیدیا ہے، چونکہ اسلامی نظام کا جو تصور اُنہوں نے پیش کیا ہے وہ مسلمانوں کی نگاہوں سے عرصۂ بعید سے اوجھل ہو چکا ہے، اس لیے شروع شروع میں سطح بین مسلمان اس تصور میں اجنبیت سی محسوس کریں گے۔ اس خیال کے پیشِ نظر میں نے یہ ضروری سمجھا ہے کہ اس موضوع پر مختلف گوشوں سے اس قدر روشنی ڈالی جائے، کہ وہ ایک حقیقت ثابتہ بنکر نگاہوں کے سامنے آجائے، اور اس طرح یقین محکم کی شکل میں دل میں جاگزیں ہو جائے، کہ جب تک مسلمان اس بھولی ہوئی داستان کو پھر سے ازبر نہیں کر لیتے انکا کوئی عمل نتیجہ خیز نہیں ہو سکتا، بہتر ہو گا کہ اس سلسلہ میں میرا وہ مضمون بھی پیشِ نظر رکھ لیا جائے، جو جولائی کے پرچہ میں "اجتماعی زندگی" کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔ ان تمام مضامین کو ایک ہی سلسلہ کی مختلف کڑیاں سمجھنا چاہیئے ۔

معتقدات انسان کی گراں بہا متاع عزیز ہوتے ہیں۔ اور جب وہ ایک مرتبہ دل کی گہرائیوں میں اُتر جائیں تو انکا استیصال بہت مشکل ہو جاتا ہے، خواہ وہ کتنے ہی غلط کیوں نہ ہوں۔ اس لیے کہ جب

انسان انہیں اعماقِ قلب سے جُدا ہوتے دیکھتا ہے تو وہ سمجھتا ہے کہ میری دُنیا لُٹ رہی ہے، میری عاقبت خراب ہو رہی ہے، حالانکہ ہو سکتا ہے کہ یہی رُفقائے محترم جنہیں اُس نے دل کے نازک ترین گوشوں میں جانِ مُدعا بنا کر بڑی محبت اور تپاک سے چھپا رکھا ہے بجائے خویش غارتگرِ ایمان و دین اور رہزنِ علم و بصیرت ہوں، پھر چونکہ انسان اپنے معتقدات کو بالعموم وراثت میں پاتا ہے، اس لیے انکا تقدس کچھ اور بھی بڑھ جاتا ہے، وہ اُنپر کسی قسم کی تنقیدی نگاہ ڈالنا اپنے آباء و اجداد کی شان میں سوءِ ادبی سمجھتا ہے اور بزرگوں کی اس لاہوتی امانت کو اپنی خوشِ عقیدگی کے حسین غلاف میں لپیٹ کر آگے منتقل کر دیتا ہے، یونہی غلاف پر غلاف چڑھتا چلا جاتا ہے، اور اس امانت کی عظمت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے کوئی شخص اپنے اندر اتنی جرأت نہیں پاتا کہ ان غلافوں کو اُتار کر اپنی آنکھوں سے تو دیکھ لے کہ اُنکے اندر کیا ہے حتّٰی کہ اگر کوئی "متاعِ ملفوف" کے متعلق اتنا ہی کہہ دے کہ کسی کے سامنے نہ سہی، تنہائی میں کبھی اطمینان تو کر لو کہ یہ ہے کیا؟ تو اس بات کا تصور اُس کی روح میں کپکپی پیدا کر دیتا ہے، لرزشِ قلب سے اُسکے ہاتھوں میں رعشہ پیدا ہوتا ہے، اُسکے پاؤں لڑکھڑانے لگ جاتے ہیں، وہ ڈرتا ہے، کانپتا ہے، اور اس وسوسۂ شیطانی پر اپنے بزرگوں کی روحوں سے معافی مانگتا ہے، اُنکے سامنے گڑگڑاتا ہے، اور اس گناہ کے کفارہ کے طور پر اس مقدس امانت پر عقیدت کا ایک اور غلاف چڑھا دیتا ہے، جب کوئی پوچھنے والا اسکے اس طرزِ عمل کی صحت کی دلیل طلب کرتا ہے تو اسکے جواب میں وہ صرف اتنا کہہ دیتا ہے کہ اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ۲۳:۴۳ ہم نے اپنے آباء و اجداد کو ایک روش پر چلتے دیکھا، اور انہی کے نقوشِ قدم پر خود چلتے جا رہے ہیں، اور یہ کہہ کر سمجھ لیتا ہے کہ میں نے اپنے برسرِ حق ہونے کی ایک مسکت دلیل پیش کر دی ہے، حالانکہ یہ ایک فریب ہوتا ہے، جس میں وہ اپنے آپ کو مبتلا رکھتا ہے، قرآنِ کریم اس روشِ زندگی کو اندھی تقلید کہتا ہے، کھلی ہوئی گمراہی قرار دیتا ہے اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ کہہ کر انسانیت سے گری ہوئی یعنی حیوانیت کی ذہنیت بتاتا ہے، بلکہ بَلْ هُمْ اَضَلُّ کے اضافہ سے ایسے انسانوں کو حیوانوں سے بھی زیادہ راہ گم کردہ قرار دیتا ہے، وہ کہتا ہے کہ یہ اُن لوگوں کی راہ ہے، جو سہولت پسند ہو جاتے ہیں، آرام طلب بن جاتے ہیں (مُترفین ۲۳:۴۳) اس لیے کہ جس راہ پر آباء و اجداد کو چلتے

دیکھا، اسپر آنکھ بند کرکے چلتے جانا نہایت تن آسانی کا راستہ ہوتا ہے، راہِ تحقیق تو بڑی جانگدازی اور جگر کاوی کی راہ ہوتی ہے، لیکن قرآنِ کریم اس کورانہ تقلید کے برعکس حق و اعتدال کی راہ کچھ اور بتاتا ہے اُس کا تقاضا ہے کہ انسان اپنی بصیرت سے کام لے، دیدۂ اعتبار اور گوش ہوش کو وا کرے اور ان کی مدد سے قرآن کریم کی روشنی میں صحیح اور غلط، حق اور باطل، کھرے اور کھوٹے میں تمیز کرتا جائے، اور یوں قلبِ سلیم کو ایمانِ خالص اور معتقداتِ صحیحہ کا محفوظ خزانہ بنائے، یہ وہ صراطِ مستقیم ہے جسکے متعلق قرآن کریم میں بلسان نبوت ارشاد ہے۔ اُدْعُوْا اِلَی اللّٰهِ عَلٰی بَصِیْرَةٍ۔ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ (میں اور میری اتباع کرنیوالے خدا کیطرف علیٰ وجہ البصیرت دعوت دیتے ہیں)

ان دونوں راستوں کو سامنے رکھیے، اور پھر کبھی رات کی تنہائیوں میں، نیند سے کچھ وقت پہلے، محض خالصۃً للہ سوچیے کہ آپ جس راہ پر چل رہے ہیں وہ کون سی راہ ہے، غالباً آپ یہی کہیں گے کہ ہمیں تو ہمارے دل نے ہمیشہ یہی جواب دیا ہے کہ جس راہ پر تم جا رہے ہو، وہی حق و عدل کا صراطِ مستقیم ہے لیکن میں گزارش کروں گا کہ اگر اسکے بعد آپ نے کبھی اپنے دل سے اس قسم کے سوال کرنے کی ضرورت محسوس کی، تو ان اُمور کو پیش نظر رکھ کر سوال کیجیے جو آئندہ سطور میں آپ کو ملیں۔ وفیھا ایات لقوم یعقلون ۔

آپ تاریخِ اسلام کے اوراق کو قریب ساڑھے تیرہ سو برس پیچھے اُلٹیے، اور دیکھیے کہ وہاں آپ کو کیا نظر آتا ہے، آپ کو ایک اور صرف ایک چیز نظر آئے گی۔ اور وہ یہ کہ نبی اکرم صلعم نے ایک دین پیش کیا جو خدائے واحد کیطرف سے دین واحد تھا، جس میں کوئی تضاد نہ تھا، تباین نہ تھا، تخالف نہ تھا، اور اس دین پر عامل ایک جماعت تیار کی جو اُمتِ واحدہ تھی، باہم متحد تھی، اس میں کہیں تشتت نہ تھا، انتشار نہ تھا۔ افتراق نہ تھا تشیع نہ تھا تحزب نہ تھا، ایک گروہ تھا۔ کوئی دوسرا گروہ نہ تھا۔ ایک فرقہ تھا کوئی دوسرا فرقہ نہ تھا، ایک مسلک تھا، کوئی دوسرا مسلک نہ تھا، ایک راستہ تھا کوئی دوسرا راستہ نہ تھا، ہر ایک کا قدم ایک منزل کیطرف اُٹھتا تھا، اور ہر ایک کا رُخ ایک قبلۂ مقصود کیطرف

رہتا تھا۔ آپ اس منظر کو نظرِ غائر دیکھئے۔ ما تریٰ فی خلق الرحمٰن من تفوت۔ اللہ کے اس دینِ فطرت میں کہیں کوئی شکن نظر نہیں آئے گی۔ پھر دیکھئے۔ فارجع البصر هل تریٰ من فطور۔ کیا کہیں کوئی خلل نظر آتا ہے؟ نہیں! بار بار دیکھئے۔ ثم ارجع البصر کرتین ینقلب الیك البصر خاسئاً و ھو حسیر۔ نگاہ تھک کر آتشیانۂ چشم میں واپس آجائے گی لیکن اس وحدتِ دین اور وحدتِ ملت میں تفریق و اختلاف کا کوئی شائبہ نہیں پائے گی۔ یہ وحدت ایک ایسی حقیقت ہے جس سے کسی مسلمان کو انکار نہیں حتےٰ کہ غیر مسلموں تک کو انکار نہیں، آپ کسی شیعہ سے پوچھئے یا سُنّی سے، مقلد سے پوچھئے یا غیر مقلد سے، حنفی سے پوچھئے یا شافعی سے، ان سب کا ایک اور صرف ایک جواب ہوگا کہ جب نبی اکرمؐ تشریف لے گئے ہیں تو مسلمان ایک فرقہ تھے، اُنکا ایک دین تھا۔ نہ اصول میں کوئی دوسری راہ تھی نہ فروع میں کوئی دوسرا مسلک تھا۔ نبی اکرمؐ نے ایک ایسی جماعت چھوڑی اور اس جماعت کے تاکید اً کہہ دیا بار بار کہا کہ دیکھنا اس وحدت کو شرک میں نہ بدل دینا۔

وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا ۖ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ۔

دیکھنا! کہیں مشرکین میں سے نہ ہو جانا یعنی ان لوگوں میں سے جو (وحدتِ) دین میں تفرقہ اندازی کرتے ہیں اور خود جماعت کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے فرقے بنا تے ہیں پھر ہر ایک فرقہ اپنے اپنے معتقدات ہی کو صحیح سمجھ کر مطمئن بیٹھا رہتا ہے۔

اب جتنے ورق آپ نے پیچھے اُلٹے تھے اُتنے ہی آگے بڑھ آیئے۔ اور اپنے موجودہ دَور میں پہنچ جایئے پھر نگاہ ڈالیئے اور ڈھونڈھیئے، تلاش کیجئے اُس وحدتِ دین کو۔ اس وحدتِ ملت کو۔ اُس ایک مسلک کو۔ اور اُس مسلک پر چلنے والی ایک جماعت کو کہیں اُس کا نشان بھی ملتا ہے۔ نہ چھوڑیئے اس حدیث الم کو کہ اس تیرہ سو برس میں یہ کیسے ہو گیا لیکن دیکھئے صرف اس کو کہ یہ کیا ہو گیا؟ کیا دین اپنی موجودہ شکل میں وہی دین ہے، جو نبی اکرمؐ نے چھوڑا تھا؟ کیا ملتِ اسلامیہ، اپنی موجودہ صورت میں وہی ملت ہے، جس کی تشکیل حضورؐ نے فرمائی تھی؟ کیا وہ قوم جس کو وَلَا تَکُونُوا مِنَ الْمُشْرِکِیْن

(دیکھنا مشرکین میں سے نہ ہو جانا) کی تنبیہ کی گئی ہے، اس کی یہی ہیئت ہونی چاہیئے تھی! کہاں ہے وہ دین جس کو نبی اکرمؐ نے ھٰذَا صِرَاطِی مُسْتَقِیْمًا قرار دیکر فَاتَّبِعُوْہُ کا حکم دیا تھا، (یعنی یہ ہے میرا سیدھا راستہ، بس اسی ایک راستہ کی اتباع کرنا) اور وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِکُمْ عَنْ سَبِیْلِہٖ۔ ۶/۱۵۴ کے انتباہ سے یہ بتا دیا کہ اگر بہت سے راستے اختیار کر لو گے تو وہ تمہیں خدا کی راہ سے بھٹکا دیں گے۔

ایک چیز تو واضح ہے کہ جب دین ایک تھا، راستہ ایک تھا۔ جماعت ایک تھی، تو آج کہنے کو بہتّر، لیکن حقیقت کے اعتبار سے بہتّر سو راستوں میں سے ہر ایک راستہ تو سیدھا راستہ نہیں ہو سکتا۔

آپ کا دل شاید آپ کو یہ کہہ کر مطمئن کرا دے کہ جس راستے پر میں ہوں، یہ وہ راستہ ہے جو نبی اکرمؐ نے بتایا تھا اور اسکے علاوہ باقی راستے وہ ہیں جو بعد کی پیداوار ہیں۔ ہاں! یہ کہہ کر اپنے آپ کو اطمینان دے لیجئے لیکن اس کا کیا علاج کہ عین اسی وقت آپ کے کمرہ سے ملحق دوسرے کمرہ میں آپکے مسلک سے جداگانہ مسلک کا حامل، ایک دوسرا مسلمان (مثلاً آپ مقلد ہیں تو غیر مقلد) یہی کچھ کہہ کر اپنے آپ کو اطمینان دے رہا ہے، کہ جس راستہ پر میں ہوں، وہی راستہ حق و اعتدال کا ہے۔ دوسروں کی راہ نجات و سعادت کی راہ نہیں ہے، آپ کہہ دینگے کہ وہ غلط کہتا ہے، وہ کہہ دے گا کہ آپ غلط کہتے ہیں۔ اور کہہ دیگا۔ "کیا ہر روز یہی ہوتا ہے، اور یہ وہی حقیقت ہے جس کی طرف قرآن کریم نے اشارہ کیا ہے کہ کُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَیْھِمْ فَرِحُوْنَ ہر فرقہ اپنے آپ کو صراط مستقیم پر سمجھ کر مگن ہو رہتا ہے۔

تو کیا اس کو مان لیا جائے کہ آپ بھی صحیح کہتے ہیں اور وہ بھی صحیح کہتا ہے! اور اس طرح ان سینکڑوں مختلف سمتوں کی طرف جانیوالے راستے سب صراط مستقیم ہیں، اس کو تو نہ آپ تسلیم کریں گے نہ کوئی اور۔

اس سوال کو ذرا اور آگے بڑھایئے اور سوال من حیث الاسلام دیکھیے۔ یعنی دنیا کے چالیس کروڑ مسلمان ایک مذہب سے متمسک ہیں، جسے اسلام کہتے ہیں، اس مذہب کی حالت یہ ہے کہ اسکے اندر سینکڑوں فرقے موجود ہیں۔ کیا یہ مذہب وہی ہو سکتا ہے، جو نبی اکرمؐ نے امت کو دیا تھا، کہ جسکے اندر کہیں اختلاف نہ تھا، کوئی فرقہ نہ تھا۔

یعنی ایسا مذہب جس میں کوئی اختلاف نہ ہو، کوئی فرقہ نہ ہو، بلکہ فرقہ سازی شرک ہو۔ وہ پہلی اسلام

اور

ایسا مذہب جس میں سینکڑوں فرقے اور ہزاروں اختلافات ہوں — وہ بھی اسلام۔

اس تعددِ فرق کے خلفشار کا شاید آپ صحیح اندازہ نہ لگا سکیں، اس کے متعلق کسی نومسلم سے پوچھئے، ایک شخص مثلاً ہندو ہے، وہ کفر پر ہے، اس راستہ پر ہے جو جہنم کیطرف لے جانیوالا ہے، اُسے آپ اسلام کی دعوت دیتے ہیں اور وہ مسلمان ہو جاتا ہے، لامحالہ وہ مسلمانوں کے اس فرقہ میں داخل ہوگا جو آپ کا ہوگا، لیکن یہاں پہنچکر وہ دیکھتا ہے کہ ایک دوسرے فرقہ کا مسلمان اُسے کہتا ہے کہ ناجی فرقہ تو ہمارا ہے، یہ تم کہاں آپھنسے؟ یہیں تک نہیں، بلکہ وہ اِس فرقہ کے خلاف تکفیر کے فتاویٰ بھی دکھا دیتا ہے، وہ نومسلم حیران ہے کہ کفر کو چھوڑ کر اسلام لایا، جہنم سے بچنے کے لیے آبا و اجداد کا مسلک چھوڑا، لیکن بایں ہمہ وہ کفر کا لیبل اب بھی میرے ساتھ ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جہنم سے بھی نجات نہیں ملیگی۔ وہ دوسرے فرقہ میں جاتا ہے تو یہی کچھ آپ کہنے لگتے ہیں۔

کہیئے وہ کیا کرے اور کہاں جائے؟

آپ کہیں گے کہ اسلام تو نام ہے اطاعت خدا اور رسول کا، لہٰذا جب میں خدا اور رسول کی اطاعت کر رہا ہوں تو صحیح مذہب پر ہوں لیکن، اس کا علاج کہ آپ کے کمرے سے ملحقہ کمرے والا مسلمان جو دوسرے فرقے سے متعلق ہے بعینہٖ یہی کچھ کر رہا ہے اور کون سا فرقہ ایسا ہے کہ "خدا و رسول کی اطاعت" اس کا دعویٰ نہیں۔ آپ کہہ دینگے کہ اس کا فیصلہ کچھ زیادہ مشکل نہیں، خدا اور رسول کی اطاعت کا معیار ہمارے پاس کتاب اللہ اور احادیثِ مقدسہ موجود ہیں اُن پر پرکھ کر دیکھ لیا جائیگا کہ کس کا دعویٰ صحیح ہے لیکن آپ کے مدِمقابل فریقِ ثانی کا بھی تو یہی دعویٰ ہے! اگر اس مٹھی بھر جماعت کو چھوڑ دیا جائے، جسے منکرینِ حدیث یا چکڑالوی کہا جاتا ہے تو باقی سب مسلمان تو یہی دعویٰ کرتے ہیں کہ اطاعتِ خدا اور رسول کے دعوے کو کتاب و سنت پر پرکھ کر دیکھ لو لیکن ان دعاوی کا عملی نتیجہ یہ ہے کہ بڑے سے بڑے اختلافات کو چھوڑئیے آپ صدیوں سے اس معمولی سے اختلاف کا بھی فیصلہ نہیں کر سکے، کہ نماز میں آمین بلند آواز سے کہنی چاہیئے یا

آہستہ، حالانکہ فریقین کے علماء کے سامنے قرآن کریم بھی ہوتا ہے اور احادیثِ مقدسہ بھی۔ اور اگر اس کے ساتھ اجماع کے معیار کو بھی شامل کرنا چاہیں تو دونوں فریق مختلف تاویلات سے اس امر کے بھی مدعی ہوتے ہیں کہ اجماع اُنکے ساتھ ہے۔

جب حالت یہ ہے تو پوچھیے اپنے دل سے کہ اس کا فیصلہ کس طرح سے کیا جائے کہ کون سا مسلک "اطاعتِ خدا و رسولؐ" کے مطابق ہے۔ یہاں پہنچ کر ایک مرتبہ پھر یہ سمجھ لیجئے کہ آپ یہ کہہ کر اپنے آپ کو اطمینان نہ دے لیں کہ جس مسلک سے آپ متمسک ہیں، وہی مسلک درست ہے اور اس لیئے درست ہے کہ آپ کو آباء و اجداد سے وراثت میں ملا ہے، کیا وہی بصیرت جس پر قرآن کریم نے دعوت الی اللہ کی بنیاد رکھی تھی، اُس کا تقاضا نہیں کہ آپ علم و ایقان کے ساتھ مطمئن ہو جائیں کہ وہ کون سی راہ تھی جو نبی اکرمؐ اُمت کو دیکر گئے تھے اگر آپ اس قسم کے اطمینان کی ضرورت سمجھتے ہیں تو پھر سلسلۂ سخن یوں آگے بڑھے گا کہ یہ معلوم کیجیے ہو کہ وہ راہ کون سی تھی اور گاڑی کہاں سے اپنی صحیح پٹڑی چھوڑ کر دوسرے رُخ پر چل پڑی تھی۔

ایک چیز تو مسلمانوں میں آج بھی ایسی موجود ہے جسکے متفق علیہ ہونے میں کسی کو کلام نہیں، اور وہ ہے قرآن کریم، ہر مسلمان اس کا قائل ہے، غیر مسلم قائل ہیں، خود خدا اسکا شاہد ہے کہ قرآن کریم حرفاً حرفاً وہی ہے جو نبی اکرمؐ کی وساطت سے اُمت کو ملا تھا۔ اور یہ وہی قرآن کریم ہے جو "اطاعتِ خدا و رسولؐ" کے دعوے کو پرکھنے کے لیۓ ہمارے مختلف فرقوں کے پاس موجود ہوتا ہے۔ لیکن جب اس کے باوجود ہمارے اختلافات نہیں مٹتے تو معلوم ہوا کہ قرآن کریم کے ساتھ کسی اور چیز کا ہونا بھی ضروری ہے، جس کی مدد سے اُمت کو وہ راستہ مل سکتا ہے، جو انکے لیے قرآن کریم متعین کرتا ہے اور جسے نبی اکرمؐ قرآن کریم کے ساتھ چھوڑ کر تشریف لے گئے تھے، اور جو آج موجود نہیں ہے اور جسکے فقدان سے ہماری حالت یہ ہو رہی ہے۔

وہ چیز کیا تھی؟ بس یہی گم گشتہ کڑی جسکے ملجانے سے یہ بکھری ہوئی زنجیر پھر سے حبل المتین بن جائے گی۔

یہ گم گشتہ کڑی ہے وہ جماعت جسے نبی اکرمؐ مرتب فرما کر تشریف لے گئے تھے، جو کتاب اللہ کی

وارثِ تھی جو تو امینِ النبیہ کو اس دُنیا میں نافذ کرنے والی تھی۔ جو کنتم خیر امۃ کی مخاطب تھی۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر جسکا فریضہ تھا، جسے اُمتہ وسطےٰ کا لقب دیا گیا تھا، جسے تمکن فی الارض سے دین کا قیام تھا، یہ وہ جماعت تھی جو چلتی پھرتی قرآن تھی جیتی جاگتی قرآن تھی۔ کتاب اللہ حروف ونقوش میں لکھی ہوئی تعلیم تھی، یہ جماعت اس تعلیم کی پیکرِ ناطق تھی، یہ عین مشیتِ ایزدی کے ماتحت خود رسالتمآب کے مقدس ہاتھوں سے تیار ہوئی تھی اور تیار اس لیے کی گئی تھی کہ دُنیا کو بتا دیا جائے کہ معراج انسانیت کا مظہر اتم اسے کہتے ہیں، بابِ نبوت کو اس لیے بند کر دیا گیا تھا کہ خدا کا آخری پیغام۔ اپنی مکمل اور محفوظ شکل میں، دنیا کے پاس موجود تھا اور اس پیغام کی حامل ایک ایسی جماعت تھی جو ہر مشکل مقام پر اس نورِ مبین کی روشنی میں نوعِ انسانی کی راہ نمائی کر سکے اس جماعت میں جو اتقیٰ (سب سے زیادہ متقی) ہوتا تھا وہ اکرم (سب سے زیادہ قابل عزت) ہونے کی حیثیت سے انکا مرکز ہوتا تھا امرھم شوریٰ بینھم (اُن کے معاملات باہمی مشوروں سے طے پائیں گے) کے ماتحت اس جماعت کے منتخب افراد اس مرکز کے اعیان و ارکان ہوتے تھے، اور اس نظام کے ماتحت یہ مرکز اس امر کا فیصلہ کرتا تھا کہ "خدا ورسول کی اطاعت" کسے کہتے ہیں۔ چونکہ مرکز ایک تھا۔ اس لیے اس کا فیصلہ بھی ایک ہوتا تھا، لہٰذا دین ایک تھا۔ دین کی حامل جماعت ایک تھی، جماعت کا مسلک ایک تھا۔

زیادہ وضاحت سے اسے یوں سمجھئے کہ مسلمانوں کے لیے خدا کے سوا کسی اور کی اطاعت جائز نہیں ان الحکم الا للہ۔ حکومت صرف اللہ ہی کے لیے ہے، لیکن اللہ تعالیٰ چونکہ ہر شخص سے براہِ راست باتیں نہیں کرتا، اس لئے یہ بتانے کیلئے کہ اللہ کی اطاعت کس طرح کی جاتی ہے اُسنے رسولِ اکرم کی وساطت سے اپنی کتاب نازل فرمادی۔ لہذا کتاب اللہ کی اطاعت عینِ اطاعتِ خدا ہو گئی (اتبعوا ما انزل الیکم من ربکم ولا تتبعوا من دونہٖ اولیاء ۷ جو تمہارے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے اُس کی پیروی کرو اور اُسکے سوا کسی کو کارساز اطاعت نہ کرو) لیکن کتاب پھر ایک حد تک غیر محسوس راہ ہدایت ہوتی ہے اس لئے

ثم اورثنا الکتاب الذین — پھر ہم نے اپنے بندوں میں سے کتاب کا وارث ان لوگوں کو بنایا جن کو
اصطفینا من عبادنا ۳۵/۳۲ — ہم نے (اس مقصد کے لیے) منتخب کرلیا۔

اطاعتِ خداوندی کے مفہوم کو محسوس شکل میں پیش کرنے کے لیے رسول کی وساطت سے کتاب بھیجی جاتی ہے جو اپنے اعمال طیبہ سے دکھاتا ہے کہ اطاعتِ کتاب یعنی اطاعتِ خدا کا صحیح مفہوم کیا ہے لہٰذا رسول کی اطاعت خدا کی اطاعت ہوجاتی ہے رو من یطع الرسول فقد اطاع اللّٰہ جسنے رسول کی اطاعت کی اُسنے اللہ کی اطاعت کی، رسول اللہؐ کے بعد کتاب تو موجود رہی۔ لیکن کتاب کی تعلیم کو محسوس دمرئی شکل میں پیش کرنیوالا کون تہا؟ یہ تہے خلیفۃ الرسول رسول کے جانشین رضؓ خدا اور رسول کی اطاعت اب خلیفۃ الرسول کی اطاعت میں منتقل ہوگئی، مرکزِ ملت کی اطاعت ہوگئی، نبی اکرمؐ کی تشریف بری کے بعد حضرت صدیق اکبرؓ کے فیصلوں کی اطاعت، خدا و رسول کی اطاعت تھی، اور ان سے انحراف خدا و رسول کی اطاعت سے انحراف تہا۔ یہ تہا صحیح مفہوم "اطاعتِ خدا و رسول" کا کہ جس مفہوم کے بعد کسی تفرقہ اندازی، افتراق انگیزی کی گنجائش نہ تھی، کیا آپ کو معلوم نہیں کہ حضرت صدیق اکبرؓ کے عہد میں جب مسلمانوں کے ایک قبیلہ نے زکوٰۃ کے مسلک میں مرکز کے مسلک سے اختلاف کیا تو آپ نے انکے خلاف جہاد کا اعلان کر دیا، اور صحابۂ کبار نے اس فیصلہ کی اطاعت خدا اور رسول کی اطاعت کی طرح کی۔ جب تک یہ شکل قایم رہی خدا اور رسول کی صحیح اطاعت ہوتی رہی، دین کی وحدت قایم رہی، جماعت کی یک جہتی قایم رہی لیکن یہ دورِ سعادت جلد ختم ہوگیا، خلافت ملوکیت میں بدل گئی۔ حکومت نے اپنا فریضہ انتظام سلطنت سمجھ لیا حالانکہ سلطنت ان کو ملی ہی اس لیے تھی کہ وہ قوانین الٰہیہ نفاذ کرتے رہیں اور یوں خدا اور رسول کی اطاعت کا سلسلہ آگے بڑہاتے رہیں، شروع شروع میں تو اتنا ہوا کہ اُمورِ سلطنت کے متعلق معاملات حکومت نے اپنے ہاتھ میں رکھے لیکن امورِ دین کے متعلق معاملات افراد پر چھوڑ دیئے۔ یہ وہ منحوس دن تہا جب سب سے پہلے اسلام میں دین اور دُنیا (Church and State) کی تفریق شروع ہوئی، جب اجتماعیت کی جگہ یوں انفرادیت آگئی تو اطاعتِ خدا و رسولؐ کا مفہوم بھی بدل گیا، ایک نے کسی معاملہ کو ایک طرح سمجھا اُسنے اسی کو اطاعتِ خدا و رسول قرار دے دیا۔ دوسرے نے اس سے مختلف سمجھا، وہ بھی اطاعت خدا اور رسول سمجھا گیا۔ کچھ لوگ اسکے ہم خیال ہوگئے کچھ اُسکے، یوں فرقہ بندی کی ابتدا ہوئی، جب تک سلطنت باقی تھی۔ اُمورِ دُنیا کے متعلق ہی سہی۔ کچھ نہ کچھ، اجتماعیت کی شکل باقی تھی۔ جب سلطنت مٹ گئی تو

بہ ترکستان دادند ... گرشمہ

یہ رہی سہی اجتماعیت بھی ختم ہوگئی۔ اب ہر شے میں انفرادیت آگئی اور یوں خدا و رسول کی اطاعت کا مفہوم مختلف دماغوں کے قالب میں ڈہل کر مختلف شکلیں اختیار کر گیا۔ مرکز ٹوٹا، جماعت منتشر ہوگئی، دین افراد کی آراء کے تابع چلنے لگا، اور کثرتِ تعبیرے خوابِ پریشاں تر ہوتا چلا گیا۔ جب تک مرکز قائم تہا اور صحیح شکل میں قائم تہا تو وہی ایک ٹکسال تہی جہاں کے مضروب سکہ کا چلن بازار میں ہوتا تھا، وہ ٹکسال ٹوٹ گئی تو گھر گھر ٹکسال بن گئی اور ہر ٹکسال والوں کا یہ دعوے ہوگیا کہ ہمارا سکہ اصلی ہے، دوسروں کا جعلی ہے۔ کام مرکز کا تھا کہ وہ متعین کرے کہ قرآن کریم کی فلاں آیت کی تفسیر کیا ہے، حدیث کون سی صحیح ہے اور کون سی ضعیف، فقہ کا فلاں مسئلہ کس وقت تک نافذ العمل رہے گا، یہی وجہ ہے کہ اُس دورِ سعادت میں نہ کوئی تفسیر لکھی گئی، نہ احادیث کے مجموعے مرتب ہوئے، نہ فقہ کی تدوین ہوئی، جب مرکزیت ٹوٹ گئی یا اپنے فریضۂ الہٰی سے غافل ہوگئی تو امت پریشان تھی کہ اب کس طرح معلوم کرے کہ فلاں معاملہ میں ارشادِ خداوندی کا منشاء کیا ہے اور اس منشاءِ ایزدی پر عمل کس طرح سے ہوگا۔ اسی ضرورت کے ماتحت انفرادی طور پر قرآن کریم کی تفاسیر لکھی گئیں، احادیث کے صحیح و ضعیف ہونے کے معیار تجویز ہوئے، فقہی مسائل کی ترجیح و تنسیخ کے متعلق بحثیں چھڑ گئیں، خدا نکردہ ہمارا مقصد اس سے یہ نہیں کہ ان حضرات نے فرقہ بندی کے خیال سے ایسا کیا، نہیں بلکہ کہنا یہ ہے کہ جماعت کے انتشار اور مرکز کے فنا ہو جانے کے بعد جب انفرادیت آگئی تو اس انفرادیت کا فطری نتیجہ یہی ہونا چاہیئے تہا۔ اس میں کسی کی نیت کا کوئی دخل نہ تہا، نیتیں کتنی ہی نیک ہوں، مقاصد کتنے ہی پاکیزہ ہوں، وحدتِ مرکز کے ٹوٹ جانے سے اطاعت خدا و رسول کے یہ مختلف مفہوم پیدا ہو جانے ضروری تھے، کتاب اللہ موجود تھی، سیرتِ مقدسہ کے آثار و نظائر بھی موجود تھے لیکن وہ جماعت اور جماعت کا وہ مرکز موجود نہ تہا جو کتاب و سنت کی روشنی میں فیصلہ کیا کرتا تہا کہ فلاں معاملہ میں مسلمانوں کے لیئے خدا و رسول کی اطاعت کس طرح ہوگی یعنی فلاں اختلافی مسئلہ میں نقطۂ اعتدال کون سا ہے، جب وہاں سے فیصلہ مل جاتا تو کسی شخص کو یہ حق نہ رہتا کہ وہ اپنے طور پر جس طرح جی چاہے "خدا و رسول کی اطاعت" کرے وہ تو اس باب میں وہ اس قدر محتاط ہوتے تھے کہ اپنی زبان سے ایک لفظ بھی ایسا نہیں نکالتے تھے جو اُس مفہوم اطاعت

ادب دنا رو کر کر سمجھ لیا

ادب دنا

کے خلاف جو مرکز نے متعین کیا ہے حضرت امام اعظم رح کی عظمت سے کون واقف نہیں اور فقہی امور میں انکے اجتہاد سے کسے انکار ہے لیکن حالت یہ تھی کہ چونکہ شہر میں مفتی ایک اور صاحب تھے جو سلطنت کیطرف سے متعین تھے۔ اسلیے لوگ انفرادی طور پر بھی دریافت کرتے تو آپ کبھی فتوے نہ دیتے۔ حتیٰ کہ ایک دن گھر میں بیٹھے تھے، لڑکی نے پوچھا کہ ابا جان میں روزہ سے ہوں اور دانتوں سے خون نکل کر حلق میں چلا گیا ہے، روزہ ٹوٹ گیا یا نہیں؟ آپنے فرمایا کہ "بیٹا! میں نہیں بتانا چاہتا، کیونکہ میں گورنر کیطرف سے فتوے دینے کا مجاز نہیں ٹھیرا گیا" لیکن امام کے نہ رہنے سے جو حالت پیدا ہوگئی اس کا اندازہ آپ خود لگا لیجئے کہ آج کوئی بھی اپنے آپ کو "امام اعظم" سے کم نہیں سمجھتا۔ اس مرکز ثقل کے نہ ہونے سے تمام ذرے منتشر ہو رہے ہیں، اس شیرازہ کے ٹوٹ جانے سے کتاب ملتِ بیضا کے تمام اوراق بکھرے پڑے ہیں قرآن کریم، احادیث مقدسہ، فقہ، تفسیر، تاریخ کی تمام کتابیں موجود ہیں لیکن اُمت کا ایک ادنےٰ سا اختلاف بھی نہیں مٹ سکتا، اس لیے کہ اگر صرف کتابوں سے ملتے متعین ہو جایا کرتے تو کتابوں کے احکام کو نافذ کرنے والے رسولوں کی ضرورت ہی نہ تھی، کتاب کے ساتھ رسول بھیجنے کی ضرورت خود اس پر دلالت کرتی ہے کہ جبتک کتاب نافذ العمل ہے اسوقت تک رسول کے جانشین کی بھی ضرورت ہے، اور چونکہ قرآن کریم قیامت تک کے لیے نافذ العمل ہے، اس لیے قیامت تک کے لیے رسول کے جانشین یعنی مرکز ملت، امام قوم کی ضرورت ہے، کوئی زمانہ اس سے خالی نہیں رہ سکتا قرن اولیٰ میں "خلافت رسول" کا جیتا جاگتا تصور اس درخشندگی اور تابناکی سے نگاہوں کے سامنے تھا کہ ہرچند مرکز کو گم ہوئے صدیاں گزر چکی ہیں لیکن اس کے دھندلے نقوش ابھی تک دلوں میں باقی ہیں، نماز کا امام ابھی تک "جانشین رسول" کہلاتا ہے خطبہ کے منبر کو ابھی تک منبر رسول کہتے ہیں، کل تک ترکوں کی ملوکیت اپنی مسخ شدہ صورت میں بھی "خلافت" ہی کہلاتی تھی لیکن چونکہ یہ صرف الفاظ تھے جو ایک مدت سے اپنے اصلی معنی کھو چکے تھے۔ لاشیں تھیں جن سے ایک عرصہ ہوا روحیں پرواز کر چکی تھیں اس لیے مضطرب قلوب کو ان میں کہیں سکون و طمانیت کے سامان نہیں ملتے تھے۔ اس صحیح نظام کے نگاہوں سے اوجھل ہو جانے سے مسلمان اسلام کے مستقبل سے کس طرح مایوس ہونے شروع ہوگئے، اس کا اندازہ آپ کو بہائیت اور مرزائیت کی

تحریکوں سے لگ سکتا ہے ایک نے یہ اعلان کر دیا کہ قرآنِ کریم قیامت تک کے لیے نافذ العمل نہیں ہو سکتا کیونکہ اب وہ (نعوذ باللہ) ایک ایسا درخت ہو چکا ہے جو مزید پھل نہیں دے سکتا۔ دوسرے نے دعوے کر دیا کہ نبوتِ محمدیہ قیامت تک کے لیے جاری نہیں رہ سکتی کیونکہ اس سراجِ منیر کی روشنی (نعوذ باللہ) اب ایک اور قندیل کی محتاج ہو چکی ہے، آپ کبھی تصور میں بھی لا سکتے ہیں، اگر یہ آوازیں اس عہدِ سعادت میں جس میں صحیح اسلامی نظام قائم تھا کہیں تحت الثریٰ کے نیچے سے بھی پیدا ہوتی تو مسلمان اس کو برداشت کر لیتا؟ اس لیے نہیں کہ انکا "تعصب" (نعوذ باللہ) انہیں اجازت نہ دیتا کہ وہ ایسے سن لیں، بلکہ اس لیے کہ وہ شجرِ طیب جسکی جڑیں قلبِ زمین سے نم کش تھیں اور جس کی شاخیں آسمان کو چھو رہی تھیں، جس کا مبارک بیج عالمِ ملکوت سے آیا تھا اور جو اس ذاتِ گرامیؐ کے مقدس ہاتھوں سے لگایا گیا تھا جو وجۂ شادابیِ کائنات ہے اور جسے قدوسیوں کی اس جماعت نے اپنے خون سے سینچا تھا، جنکے گھوڑوں کی سموں کی گرد کو خدائے بزرگ و برتر انسانیت کی چشمِ بصیرت کے لیے شہادتِ ایقانی کا نورانی سرمہ قرار دیتا ہے وہ مبارک درخت جو انہیں جھولیاں بھر بھر کر تر و تازہ پھل دیتا تھا، ایسے پھل کہ جن سے وہ قوت پیدا ہوتی تھی، جس سے زمانے کی تقدیریں ان کے ہاتھ میں آگئی تھیں، وہ کبھی ایک لمحہ کے لیے بھی اس کا تصور کر سکتے تھے کہ یہ مقدس درخت کبھی خشک بھی ہو سکتا ہے؟ آج مسلمان کے سامنے چونکہ وہ نظام موجود نہیں، جو یہ بتاتا کہ پیغامِ قرآنی اور نبوتِ محمدیؐ کس طرح ابدیت سے ہمکنار ہے، اس لیے وہ ان راہِ گم کردہ لوگوں کو لفظی مناظروں اور نظری مباحثوں سے قائل کرنا چاہتا ہے، نتیجہ یہ ہے کہ جس طرح ان سے پہلے اور اختلافات نہیں مٹ سکے، یہ اختلافات بھی بڑھتے جاتے ہیں ان کو بھی چھوڑیئے آج دوسرے مسلمان جو کبھی اس دروازے پر جھولی پھیلائے نظر آتے ہیں کبھی اس سنگِ آستان پر جبہ سائی کرتے تا آج ایک کی اقتدا میں فلاح و بہبود کا راز مضمر سمجھتے ہیں۔ کل دوسرے کی یہ سب مسلمان وہ ہیں جو گو زبان سے اقرار نہ کریں لیکن دل سے اسلام کے مستقبل سے (معاذ اللہ) مایوس ہو چکے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام کو وہی کچھ سمجھے ہوئے ہیں، جیسا کچھ وہ انہیں اس دورِ تشتت و افتراق میں دکھائی دیتا ہے ان کی نگاہوں کے سامنے اسلام کا صحیح نظامِ اجتماعیت اور مرکزیت اجاگر ہو جائے، تو پھر دیکھیے کہ یہ مایوسیاں

کس طرح اُمیدوں میں بدل جاتی ہیں۔ اور تذبذب کس طرح ایمانِ محکم کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ لیکن مصیبت یہ ہے کہ یہ نظام اِس درجہ نگاہوں سے اوجھل ہو چکا ہے کہ سرسری نگاہ سے سمجھ میں آ ہی نہیں سکتا۔ پھر اگر کوئی سمجھاتا ہے تو "ستر نیین" کا گروہ اُس کی مخالفت شروع کر دیتا ہے کوئی سمجھتا بھی ہے، تو چونکہ اس کو فوراً عمل میں لانے کے لئے سامنے ہیں مشکلات دیکھتا ہے، اِس لیئے اس کی تنِ آسانیاں اُسے پھر آرام طلبی کے راستے کی طرف دھکیل دیتی ہیں۔ غرضیکہ مسلمان ایک ایسے گرداب میں کھڑا ہوا ہے کہ ہزار ہاتھ پاؤں مارے وہاں سے باہر نہیں نکل سکتا۔ ان مصائب سے نجات کا صرف ایک راستہ ہے کہ بلا خوف لائمۃ لائم، قرآن کریم کے اس اسلامی نظام کو، اطاعتِ خدا و رسول کے اس صحیح مفہوم کو مسلمانوں کے سامنے بے نقاب کر دیا جائے اس شدت اور تکرار سے اُسے بار بار سامنے لایا جائے کہ اُس کی کبریائی شعاعوں سے انفرادیت کے طاغوتی جراثیم فنا ہو جائیں۔ اور جن حضرات کے سامنے یہ تصور اپنی صحیح شکل میں آ جائے، وہ اسکے عملی قیام میں تمام مشکلات کا سامنا کرتے ہوئے آگے ہی آگے بڑھتے جائیں، پھر دیکھیں کہ اللہ کی نصرت کس طرح انکے شاملِ حال ہوتی ہے۔ یہ نظام قائم ہو جائے تو پھر دیکھئے کہ کس طرح یہ بات بہائیوں اور مرزائیوں کی سمجھ میں خود بخود آ جاتی ہے کہ واقعی پیامِ خداوندی اور نبوتِ محمدیؐ قیامت تک کے لیے زندہ رہ رہی ہیں، پھر دیکھئے کہ مارکس اور لینن کس طرح اس نظریہ کو بغیر سمجھائے سمجھ لیتے ہیں کہ ایمان کی بنیادوں پر قائم شدہ مساوات۔ روٹی کی مساوات سے کس درجہ بلند و بالاتر ہے۔ پھر دیکھئے کہ تمام مذاہب میں یکساں طور پر "عالمگیر سچائیاں" ماننے والے کس طرح اِس سچائی کے قائل ہوتے ہیں کہ سچائیاں اب صرف قرآنِ کریم کے ہی اندر ہیں۔ پھر سمجھ میں آ جائے گا کہ نوعِ انسانی کی نجات و سعادت کیوں اپنی اعمال کے اندر پوشیدہ ہے۔ جو شریعتِ محمدیہ نے متعین کیے ہیں۔ پھر معلوم ہوگا کہ اعمال صالحہ ہونے کے لیے کیوں اس قسم کے ایمان کی ضرورت ہے جو کتاب اللہ نے تجویز کیا ہے، یہ وہ نظام ہوگا جو اسلام کی حقانیت کی زندہ دلیل ہوگا۔ اور یہ وہ جماعت ہوگی جس کا وجود خدا کی ہستی کی برہان نیرہ ہوگی۔ اُسوقت سمجھ میں آ جائے گا کہ حضرت علامہؒ نے یہ کیوں کہا تھا کہ۔

انا الحق جز مقام کبریا نیست — سزائے او چلیپا ہست یا نیست ؟
اگر فرے بگویش۔ سرزنش بہ — اگر قومے بگوید : ناروا نیست

اب یہ حقیقت ہمارے سامنے آگئی کہ دین کی وحدت کس طرح سے عمل میں آئی تھی، اور کس طرح اُسے قایم رہنا تھا۔ لہٰذا اگر ہم آج بھی چاہیں کہ وہ متاعِ گم گشتہ ہمیں پھر سے ملجائے، وہ لُٹی ہوئی دولتیں وہ چھنی ہوئی عظمتیں پھر لوٹ آئیں، تو اُسکے۔ لیے نظری بحثیں اور لفظی مناظرے کوئی کام نہ دینگے، ہم جہاں سے بھُولے تھے اور بھول کر اصل راستہ چھوڑا تھا، پھر وہیں پہنچا ہوگا دکہ توبہ کے۔ یہی معنی ہیں، اور وہاں سے پھر وہی راستہ اختیار کرنا ہوگا۔ جو سیدھا راستہ تھا جو صراطِ مستقیم تھا، اگر آپ چاہیں کہ جس غلط راستے پہ ایک دفعہ چل نکلے ہیں، کوئی صورت ایسی پیدا ہو جائے کہ اُسی پر چلتے جائیں اور منزل پر پہنچ جائیں تو یہ فریبِ نفس ہے، دہوکہ ہے۔ جھوٹا اطمینان ہے غلط اقدام ہے آپ چلتے ضرور رہینگے لیکن ہر قدم آپ کو منزل سے دُور لے جائے گا، اور بالآخر حبطت اعمالھم ایسے ہی مقامات کے لیے آیا ہے۔ کہ کام کیا جائے اور کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوتا۔ قدم اُٹھتے ہیں لیکن مسافت طے نہیں ہوتی، لہٰذا اس طویل مُدت میں جو کچھ ہوچکا اُسے بھُول جائیے، گاڑی کو پھر وہیں لے جائیے، جہاں سے اس کا کانٹا بدل گیا تھا اور یہ دوسری پٹری پر چل نکلی تھی، وہاں پہنچکر آپ کو معلوم ہوگا کہ سیدھا راستہ کونسا ہے قرآن کریم تو آپ کے پاس محفوظ و مصئون شکل میں موجود ہے۔ دوسری چیز اُسکے ساتھ جماعت اور جماعت میں نصبِ امامت، قیامِ مرکزیت ہے وہ پیدا ہو جائے، تو تمہاری خاک کے ذروں میں نمودِ حیات محسوس ہونے لگے۔ یہ اُجڑے ہوئے کاشانے پھر سے آباد ہو جائیں۔ بھُولے ہوئے مسافر پھر سے منزل کیطرف رُخ کرلیں، پھر سے ہماری نمازیں اور ہمارے روزے، ہمارے حج، اور ہماری زکوٰۃ اللہ کے لیے ہو جائیں، اور پھر اُن سے وہ نتائج پیدا ہونے لگ جائیں جو قرنِ اُولیٰ میں پیدا ہوا کرتے تھے۔ یاد رکھیے ایمان اور اعمالِ صالحہ اگر صحیح اسلامی نظام کے ماتحت وجود پذیر ہوں تو ان کا فطری نتیجہ قوت اور اقتدار ہے، جس سے تمکن فی الارض حاصل ہوتا ہے اور یہی تمکن اس جماعتِ الٰہیہ کے استحکام و استقرار کا موجب اور اُسکے مرکزی فیصلوں کی تنفیذ کا ذریعہ بنتا ہے۔ آپ شاید کہہ دیں کہ آج جب کہ ملتِ اسلامیہ میں اس قدر اختلافات پیدا ہوچکے

ہیں۔ وہ جماعت اور اس کا مرکز کس طرح سے فیصلہ کرے گا کہ وہ دین حقیقی کون سا تھا جو نبی اکرمؐ امت کو دیکر گئے تھے لیکن یہ مشکل صرف آج حوصلہ شکن نظر آتی ہے، جماعت کا وجود عمل میں آجائے تو یہ مشکل، مشکل رہتی ہی نہیں۔ اندھیرے کی تو فطرت ہے کہ چراغ آجائے تو وہ خود بخود مٹ جائے۔ دین کی بنیاد قرآن پر ہے اور وہ ہمارے پاس موجود ہے، فروعات کی ترتیب کے لیے ایک عظیم القدر علمی سرمایہ ہمارے پاس وراثتاً چلا آرہا ہے۔ جس سے اگر استشاراً فائدہ اُٹھایا جائے تو اس میں بہت سی کام کی چیزیں مل جائیں گی۔ آج اس ڈھیر سے غث وثمین کا الگ کرنا دشوار ہے۔ کہ الگ کرنے والے پہلے ہی ایک خاص چشمہ لگا کر تلاش شروع کرتے ہیں، جب جماعت روحِ قرآنی سے واقف ہو جائے تو اُسکے لیے ڈھیرے کام کی چیزوں کا چُن لینا دشوار نہیں ہوتا۔ تفسیرِ قرآن۔ تعدیلِ احادیث۔ تدوین فقہ اس جماعت کا کام ہوگا نہ کہ افراد کا، اس جماعت کے فیصلے مرکزِ ملت کی مُہر سے مصدق ہو کر نافذ ہونگے جو اُمت کے لیے واجب العمل ہونگے اور اُن کی اطاعت "خدا اور رسول کی اطاعت" ہوگی، جن فیصلوں پر مرکز کی مہر نہ ہوگی ان کی دینی حیثیت کچھ نہیں ہوگی۔ اِس طرح تفریق۔ جو انفرادیت کے شجرِ ممنوعہ کا تلخ ترین ثمر ہے۔ مٹ جائے گی۔ اور اس کی جگہ وحدت، جو اجتماعیت کے نخلِ طیب کا برِ شیریں ہے پیدا ہو جائے گی اور وہی دین جو اللہ تعالےٰ نے نوعِ انسانی کے لیے قیامت تک باقی رہنے کے لیے پسند فرمایا تھا اپنی عملی شکل میں رائج ہو جائے گا۔ اور لیظہرہ علی الدین کلّہٖ کی تمام ادیان پر غلبہ، کی بشارت کے ماتحت تمام کائنات کو محیط ہو جائے گا کہ اسلام کا شجرِ طیب شرق و غرب کے امتیازات سے ناآشنا اور اس کا بحرِ مواج کوہ و دمن کے جغرافیائی حدود وقیود سے آزاد ہے۔

ممکن ہے کہ بعض لوگوں کے دل میں یہ سوال پیدا ہو کہ جب نبی اکرمؐ کے تشریف لے جانے کے بعد خدا اور رسول کی اطاعت آپؐ کے جانشین (یعنی مرکزِ ملت) کی اطاعت میں منتقل ہوگئی تو کیا اِس مرکزِ ملت کو یہ اختیارات حاصل ہونگے کہ وہ اپنے وقتی مصالح کے پیشِ نظر تمام معاملات میں ردّ و بدل کرسکے، یا ایسے اُمور بھی ہونگے جن میں وہ تغیر و تبدل کا مجاز نہ ہوگا؟

یہ سوال بھی اس لیے پیدا ہوتا ہے کہ ہماری نگاہوں سے اسلامی نظام اوجھل ہو چکا ہے، ورنہ ظاہر ہے کہ حضور کے جانشین، دین کے ان معاملات میں جو ناقابلِ تغیر ہیں کسی قسم کے ردّ و بدل کرنے کا خیال تک بھی دل میں لا سکتے؟ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے بیعت خلافت کے بعد سب سے پہلے خطبہ میں اپنی پوزیشن کو ان الفاظ میں واضح کر دیا کہ "انی متبع لست لمبتدع" میں تو اتباع کرنے والا ہوں نہ کہ دین کے معاملہ میں نئی نئی باتیں پیدا کرنے والا۔ اور اسی طرح بعد کے خلفائے راشدین رضؓ اپنے پیشرو خلفا کی متابعت کا اعلان کرتے رہے لیکن اس چیز کا فیصلہ کہ کن امور میں اتباع واجب ہے اور کن امور میں مرکزِ ملت تبدیلی کا مجاز ہے، مرکزِ ملت ہی کر سکتا ہے نہ کہ افرادِ ملت، افراد کے لیے تو مرکز کی اطاعت ہی خدا و رسول کی اطاعت ہوگی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے جب زکوٰۃ نہ دینے والوں کے خلاف اعلان جہاد کیا تو یہی فرمایا تھا کہ جب تک ہر وہ شے جو رسول اللہ صلعم کے زمانہ میں بیت المال میں داخل کی جاتی تھی، داخل نہ کی جائیگی اس وقت تک میں جہاد سے باز نہ آؤں گا۔ چنانچہ اسوقت اس فیصلہ کی اطاعت خدا اور رسول کی اطاعت تھی لیکن اس کے بعد جب حضرت عثمان رضؓ نے اجازت فرما دی کہ زکوٰۃ کا روپیہ مرکزی بیت المال میں جمع کرنے کے بجائے اپنی مقامی ضروریات کے صرف میں بھی لایا جا سکتا ہے۔ تو ہر چند یہ طریقِ عمل نبی اکرمؐ اور حضرات شیخین کے زمانہ کے طریقِ عمل کے خلاف تھا لیکن افرادِ ملت کے لیے اس کی اطاعت بھی خدا اور رسول کی اطاعت تھی۔ اس لیے کہ جب صحیح اسلامی نظام قائم ہو۔ امامت کے بہترین منتخبہ افراد کے اجماع سے مجلسِ مشاورت عمل میں آئی ہو۔ اور ان میں سے بہترین تقویٰ شعار مومن ان کا امام ہو، قرآن کریم کا خضرِ راہ اور نبی اکرمؐ سے لے کر اپنے وقت تک کے تمام پیش رو خلفا کے فیصلے انکے سامنے ہوں تو انکے لیے اس امر کا فیصلہ کچھ مشکل نہیں ہوگا کہ کون سا مسئلہ ایسا ہے جس میں وہ کسی تغیر و تبدل کے مجاز نہیں اور کونسے ایسے امور ہیں جن میں وہ تبدیلی کر سکتے ہیں؟ آپ کو یاد ہوگا کہ نبی اکرمؐ نے حکم دیا تھا کہ طواف کعبہ اور سعی بین الصفا والمروہ میں مسلمانوں کو اکڑ اکڑ کر چلنا چاہیئے۔ حضور کے بعد حضرت عمر رضؓ نے اس حکم کو یہ کہہ کر بدل دیا کہ وہ مصالح جنکے ماتحت وہ حکم دیا گیا تھا اب باقی نہیں رہے۔ اس لیے اس حکم کی تعمیل بھی ضروری نہیں رہی۔ اسی طرح نبی اکرمؐ کے عہد مبارک میں نماز جمعہ کے لیے صرف ایک اذان دی جاتی تھی،

31,2.54

لیکن حضرت عثمانؓ نے ایک اذان اور بڑھا دی۔ مختصراً یہ کہ جب جماعت روحِ دین سے واقف اور بخواصّ شریعت کی مزاج شناس ہو جائے تو وہ آسانی سے فیصلہ کر سکتی ہے کہ کہاں رکنا ہے اور کہاں بڑھنا ہے۔ یہ فریضہ تمام مرکزِ ملت کا، لیکن جب سے اس قسم کے فیصلے افراد کے ہاتھ میں آگئے، دین کی وحدت پارہ پارہ ہوگئی۔ اور اب باوجود ادعائے اطاعتِ خدا و رسول یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ "اطاعتِ خدا و رسول" ٹھیک ٹھیک کہاں ہو رہی ہے۔ اس کا تعین مرکزِ ملت کا کام ہوگا۔

میں جانتا ہوں کہ کورانہ تقلید کی تن آسانیاں اور سہل انگاریاں آپ کو اس طرف آنے سے باز رکھنے کی کوشش کریں گی، عقیدتمندی کا غلط مفہوم بھی عناں گیر ہوگا۔ گونا گوں وساوس کے کانٹے بھی دامن سے الجھیں گے، جمود و تعطل کے سنگ گراں راستہ کو روکیں گے لیکن میں آپ سے اتنی گزارش کروں گا کہ آپ ایک مرتبہ ان چیزوں سے خالی الذہن ہو کر سوچیں کہ جس افتراق و انتشار میں مسلمان آج مبتلا ہیں۔ کیا اسلام کا منشا یہی تھا؟ اگر نہیں! تو کیا آپ پر یہ فریضہ عائد نہیں ہوتا کہ اسلام کو پھر سے اس کی اصلی شکل میں رائج کرنے کی کوشش کریں۔ آج جتنی کوششیں ہو رہی ہیں، اپنے اپنے فرقہ کو "اصلی اسلام" قرار دے کر اسی فرقہ کی ترویج و اشاعت میں ہو رہی ہیں اور یوں مختلف فرقوں کی دیواریں مضبوط ہو کر وحدتِ اسلامی کے ٹکڑے کر رہی ہیں، یہ دیواریں گر جائیں تو دشتِ حجاز سے اٹھے ہوئے دین کی وحدت پھر سے قائم ہو جائے۔ ان دیواروں کی تخریب سے آپ کے لئے گھبراہٹ کی کوئی وجہ نہیں۔ اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ جس فرقہ سے آپ متمسک ہیں، جماعت کی تشکیل کے بعد یہ متحقق ہو جائے کہ اسی فرقہ کا مسلک اصلی اسلام ہے۔ اس صورت میں آپ کی موجودہ روش کو مرکز کی سند حاصل ہو جائیگی۔ اور اگر وہ مسلک غلط ثابت ہو گیا تو آپ ضلالت کی راہ سے ہٹ کر صراطِ مستقیم پر آجائیں گے، وہ وقت ایسا ہوگا لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيَىٰ مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ۔ جو زندہ رکھنے کے قابل ہوگا، وہ علیٰ وجہ البصیرت رکھا جائیگا اور جو مٹا دینے کے قابل ہوگا وہ علیٰ وجہ البصیرت مٹا دیا جائے گا۔ اور کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ جس راستہ پر آپ چل رہے ہیں اُسے نہایت دیانتداری سے دین کا صراطِ مستقیم سمجھ رہے ہیں، حقیقت کھل جانے پر معلوم ہو کہ وہی راستہ آپکی ہلاکت اور بربادی کے

حقایق و عبر

(راز ی)

(۱) الکفر ملّة واحدة

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا یَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ؕ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۚ وَ مَا تُخْفِیْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ

اے جماعت مسلمین! اپنے لوگوں کے سوا کسی دوسرے کو اپنا ہمراز دوست، نہ بناؤ، وہ تمہاری تخریب میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھیں گے جس بات سے تمہیں نقصان پہونچے وہ اس سے خوش ہوتے ہیں، ان کی دشمنی رکچھ تو انکے منہ سے ظاہر ہو جاتی ہے لیکن جو کچھ انکے دل میں چھپا ہے، وہ اس سے کہیں زیادہ ہوتا ہے۔

ہمارے قومیت پرست حضرات کا عروۃ الوثقےٰ یہ دلیل ہوتی ہے کہ ہم تمام باتوں کو بالائے طاق رکھ کر ہندی قومیت کی تعمیر میں اس لیے منہمک ہیں کہ اس طرح انگریز ہندوستان سے نکل جائے گا اور جب ہندوستان اسکے ہاتھ سے چھن جائے گا تو اسلامی ممالک سے اسکی گرفت ڈھیلی پڑ جائے گی۔ اسکے متعلق ہم شروع سے کہہ رہے ہیں کہ اول تو ہندو کسی صورت میں انگریز کو ہندوستان سے نکالنا نہیں چاہتا وہ اپنے دھن اور دولت کی چوکیداری کے لیے اس کا یہاں رکھنا نہایت ضروری سمجھتا ہے اور اگر انگریز ہندوستان سے چلا بھی جائے تو ہندو خارجی تعلقات میں انگریز جیسی قوت سے کبھی بگاڑ پیدا نہیں کرے گا۔ ہندوستان کی متحدہ قومیت یعنی اکثریت اپنی خارجی پالیسی کو ہمیشہ انگریز کی پالیسی کے ساتھ وابستہ رکھے گی، ہمارے اس خیال کو تنگ نظری، تعصب، ٹوڈیت، رجعت پسندی اور خدا واسطے کی بدظنی پر محمول کیا جاتا تھا

اور یہ کہہ کر فریب دینے کی کوشش کی جاتی تھی کہ ہندو انگریز کا دشمن اور مسلمان کا دوست ہے لیکن اس دعوے سے ہنوز فضا کی لہریں متحرک ہیں، کہ پراگ (Prague) سے پنڈت جواہر لال نہرو کا ایک بیان شائع ہو گیا جسکے دوران میں انھوں نے کہا کہ "انگلستان کے دشمن ہمارے دشمن ہیں"۔ (ٹریبون ۲۸/۹ ۱۹) اسپرانڈیا آفس کی طرف سے پنڈت جی کا شکریہ بھی ادا کیا گیا ہے۔

جہاں تک ہمیں معلوم ہے ہمارے قومیت پرست مسلم حضرات کیطرف سے اس بیان کی تردید میں ایک لفظ بھی نہیں کہا گیا اور وہ کہہ بھی کس طرح سکتے ہیں کہ متحدہ قومیت کے جزوِ مغلوب ہونے کی حیثیت سے انکا مسلک وہی ہوگا جو شریک غالب کا ہوگا، ہم پوچھتے ہیں ان حضرات سے کہ کیا اسلام بھی اس مسلک کی اجازت دیتا ہے، اگر متوقع جنگ میں، جسکے بادل یورپ کی سیاسی فضا کو یوں تاریک کئے ہوئے ہیں، کوئی اسلامی سلطنت انگلستان کے خلاف ہوئی تو کیا آپ بھی اس اسلامی حکومت کے خلاف ہونگے۔ کیا کفار سے دوستی اور مسلمانوں سے دشمنی کے بعد بھی کوئی شخص اپنے آپ کو مسلمان کہلانے کا مستحق سمجھتا ہے؟ کفار سے دوستی کے متعلق کیا قرآن کریم کا ارشاد گرامی کسی کی نگاہ سے نہیں گزرا کہ:۔ من یتولھم منکم فانہٗ منھم۔ ۵/۵۱۔ جو تم میں سے ان کی دوستی اختیار کرے گا، تو وہ انہی میں سے ہو جائے گا۔" اور ایسا کرنے والوں میں سے خدا کے اس غضب اور عتاب سے کسی کے قلب میں لرزش پیدا نہیں ہوتی، جو قرآن کریم کے ان الفاظ سے ظاہر ہے کہ ومن یفعل ذٰلک فلیس من اللہ فی شیء۔ ۳/۲۸ کہ جو ایسا کریگا اُس کا اللہ سے کوئی تعلق باقی نہیں رہے گا!

یہ ہیں متحدہ قومیت کے ثمرات!! یہ حضرات قرآن کریم کو جھٹلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور نہیں ڈرتے لیکن قرآن کریم اپنی صداقت کا اقرار خود کفار کے منہ سے کرالیتا ہے۔ فبای حدیث بعدہٗ یومنون۔

---

(۲) وُہی مرجبی وہی عنتری

فرعون کے خلاف جو سب سے بڑا جرم عائد کیا گیا تھا وہ یہ تھا کہ

اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَائِفَةً مِّنْهُمْ ۔ ۲۸/۴

فرعون نے مُلک میں سرکشی اختیار کر رکھی ہے اور اہلِ مُلک کو جماعتوں میں تقسیم کر کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے، اور اس طرح ایک جماعت کو کمزور بنا دیا ہے

استبداد کی حکومتوں کے پاس اپنے استحکام کے لیے سب سے زیادہ مؤثر حربہ یہ ہوتا ہے کہ وہ جماعتِ مخالف کو کبھی ایک مرکز پر جمع نہیں ہونے دیتیں، ان میں پارٹی بازی، گروہ سازی کے جراثیم غیر محسوس طور پر داخل کر دیے جاتے ہیں اور ان کی اجتماعی قوت کو حوالۂ گرد و باد کر دیا جاتا ہے۔ انگریز کو ہندوستان میں مسلمان سے خطرہ تھا اس لیے کہ یہی قوم مائدۂ حکومت کی لذت چشیدہ تھی، ہندو تو غلامی کا خوگر ہو چکا تھا اس لیے انگریز نے ہمیشہ بساطِ سیاست پر ایسی چالیں چلیں جن سے مسلمان ایک نقطہ پر مجتمع نہ ہو سکیں، اب حکومت ہندوؤں کے ہاتھ میں منتقل ہو رہی ہے اور ان کے سامنے بھی وہی حکمتِ عملی ہے جو انھوں نے انگریز سے سیکھی ہے انھوں نے شروع سے ہی ایسا طریقِ عمل اختیار کر رکھا ہے کہ مسلمان ایک جماعت بنکر نہ رہیں، جو مسلمان اپنی جداگانہ تنظیم کا خیال اپنے دل میں لیئے ہو، وہ ہندوؤں کے نزدیک گردن زدنی ہے چنانچہ انھوں نے اپنے اس مقصد کے حصول کے لیے "متحدہ قومیت" کا نظر فریب حربہ تیار کیا ہے، ان کے پاس ابھی اتنی قوت تو نہیں کہ جو مسلمان اس دامِ فریب میں نہ آسکے اُسے حوالۂ دار و رسن کر دیں لیکن وہ اسے بدنام کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتے، انھوں نے مشہور کر رکھا ہے کہ آزادی پسند، حریت پرست۔ صرف وہی ہو سکتا ہے جو اپنی تنظیم کے خیال کو حماقت سمجھے اور متحدہ قومیت کا جزو بنکر رہے، اپنی تنظیم کرنے والوں کو وہ ٹوڈی، رجعت پسند، سامراج پرست، آزادی کے دشمن، غلامی کے خوگر، انگریز کے کاسہ لیس اور نہ معلوم کون کون سے ذلیل القابوں سے مشہور کرتے ہیں، پھر جس طرح انگریز نے خود محکوم قوم سے کچھ لوگ اپنے ساتھ ملا رکھے تھے اسی طرح ہندو بھی اپنی اس حکمتِ عملی میں کامیاب ہو رہے ہیں، اور چند مسلمانوں کو اپنے ہمنوا بنا کر بھائی کو بھائی سے لڑا رہے ہیں، ہو سکتا ہے کہ جس طرح شروع شروع میں بعض مسلمان نیک نیتی سے "برکاتِ عہدِ انگلشیہ" کے قصائد پڑھتے تھے، آج بھی کچھ مسلمان نیک نیتی سے ہی حصولِ آزادی کے دامِ ہمرنگ زمیں میں گرفتار ہوئے ہوں، لیکن قوم کے حق میں نتیجہ دونوں کا ایک ہے انھوں نے انگریز کی غلامی کی زنجیریں مضبوط کیں، یہ ہندوؤں کی غلامی کے جال

کے حلقے کس رہے ہیں، پھر جس طرح انگریز نے یہ خیال عام کر دیا تھا کہ جو لوگ اُسکے مقرب ہوں وہی اپنے میں معزز اور مکرم ہوتے ہیں۔ اِسی طرح آج ہندؤں نے بھی پروپیگنڈا کر رکھا ہے کہ جو ہندو قومیت کا جزو بنکے رہے وہی باعزت اور "رئیس الاحرار" ہے، انگریز سے الگ رہنے والا اُسوقت معتوب اور مقہور تھا۔ ہندو سے الگ رہنے والا آج ذلیل و خوار سمجھا جاتا ہے۔

---

(۳) مسلمان کا نصب العین

کانگریس سے الگ رہ کر اپنی تنظیم کرنے والے مسلمانوں کو انگریز پرست کہا جاتا ہے، کیا ہم دریافت کر سکتے ہیں کہ حصولِ آزادی کا دعوےٰ اور شرکتِ کانگرس لازم و ملزوم کیوں ہیں۔ کیا کسی جماعت کے لیئے ہندوؤں سے الگ رہ کر حصولِ آزادی کی تمنا کرنا جرم ہے! کیا مسلمان اپنی تنظیم کرکے۔ من حیث الجماعت ہندوؤں کے ساتھ حصولِ آزادی میں اشتراکِ عمل نہیں کر سکتے؟ مسلمان تو کر سکتے ہیں اور ہر وقت کرنے پر آمادہ ہیں، لیکن ہندو اس کو برداشت نہیں کر سکتا کہ مسلمان کسی طرح بھی منظم ہو جائیں، وہ اپنی حکومت کی عافیت اِسی میں سمجھتا ہے کہ مسلمان ٹکڑے ٹکڑے ہو کر رہیں آیئے ہم بتائیں کہ حصولِ آزادی کے متعلق کتاب و سُنت کی رُو سے مسلمانوں کا مسلک کیا ہو سکتا ہے یہ وہ مسلک ہے جسکے ہم مُدعی ہیں۔ اُور علی وجہ البصیرت مُدعی ہیں کہ:۔

(۱) غلامی خدا کا عذاب ہے اس کی لعنت ہے مسلمان اور غلام دو متضاد چیزیں ہیں

(۲) مسلمان کے نزدیک آزادی سے مفہوم یہ ہے کہ وہ اس حکومتِ الٰہیہ کو قائم کرے جو قرآن کریم کے ضابطۂ خداوندی نے متشکل کی ہے۔

(۳) اگر وہ ایسی حکومت قایم نہیں کر سکتا تو وہ غلام کا غلام ہے، خواہ وہ انگریز کی دستوری ملوکیت ہو یا ہندوستان کی جمہوریت۔

لہٰذا سیاست ہند میں مسلمانوں کے سامنے ایک اور صرف ایک نصب العین ہو سکتا ہے اور وہ یہ کہ ان کو یہاں اسلامی حکومت قایم کرنی ہے کم از کم ان صوبوں میں جہاں اُن کی اکثریت ہے کہ

ان کے نزدیک حکومت صرف خدا کے لئے زیبا ہے کسی انسان کو حکومت کا حق نہیں پہنچتا۔ اور خدا کی حکومت قرآن کریم کے ذریعہ سے، ایسی قوم کے ہاتھوں سے نصب ہو سکتی ہے جو قرآن کریم کی وارث ہے یہ نہ "ہماری" حکومت ہوگی نہ کسی اور کی بلکہ حکومت صرف خدا کی ہوگی۔ اس حکومتِ خداوندی کے اندر جس قدر غیر مسلم باشندے ہونگے مسلمان خدا کا سپاہی، انکے جان، مال، عزت، مذہب ہر شے کی حفاظت کا ذمہ دار ہوگا۔ اور ان کے ساتھ انسانیت کا اعلیٰ ترین سلوک کیا جائیگا۔

ہم یہ لکھ رہے ہیں اور ہماری نگاہ ان متبسم چہروں پر ہے جو اس ادعا کو "جنون" قرار دیکر ایک حقارت آمیز ہنسی سے اس کا استقبال کر رہے ہیں یہ بے شک ایک "جنون" ہے۔ لیکن وہی جنون جسے کہیں عشق کہا گیا ہے اور کہیں اس کا نام ایمان رکھا گیا ہے۔ اس جنون کی اصل وہی جذبہ ہے جسے کبھی کلدانیوں کی آتشِ نمرود کے بھڑکتے ہوئے شعلوں کو لالہ زار بنا کر دکھایا تھا۔ اور کبھی قید خانہ کی تیرہ و تار کوٹھری کو عزیزِ مصر کے قصرِ شاہی سے زیادہ راحت بخش بنایا تھا اسکے خلاف استحقار اور استخفاف کی جس ہنسی کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے، وہ اس قبیل کی ہنسی ہے جو ان چہروں پر نمایاں ہوا کرتی ہے جن کی نگاہیں اپنے ماحول اور اسکے پیش پا افتادہ مادی اسباب و ذرائع سے آگے نہیں بڑھ سکتیں چشم فلک اس قسم کی ہنسی اور ہنسنے والوں کا انجام ہزاروں مرتبہ دیکھ چکی ہے۔ یہ وہی ہنسی ہے جو اس وقت پیدا ہوئی تھی، جب ایک کمزور اور شکستہ کشتی کو بسم اللہ مجریہا و مرسہا کہہ کر طوفان بلا انگیز کے سپرد کیا گیا تھا اور بڑے بڑے مادی اسباب والوں کو للکارا گیا تھا کہ تمہارے سامان کسی کام نہیں آئیں گے ساحل مقصود پر یہی چند شکستہ تختے پہونچیں گے۔ یہ وہی ہنسی ہے جو نیل کی وادیوں میں قوم مغلوب کے ایک بکریاں چرانے والے کے اس الٹی میٹم پر فرعون اور ہامان کے چہروں پر نمودار ہوئی تھی۔ جس میں اسنے کہا تھا کہ یہ تمام لشکر اور اس کا ساز و سامان غرق ہو جائیگا اور اس حکومت و سلطنت کی وارث یہی بیکس و ناتواں قوم ہوگی۔ یہ وہی ہنسی ہے جو ناصریہ کی گلیوں میں چیتھڑے پہنے ہوئے، محکوم قوم کے بظاہر بے یار و مددگار انسان کے اس دعوے پر پیدا ہوئی کہ وہ زمین و آسمان کی بادشاہت قائم کرنے کے لئے آیا ہے۔ ہاں! اور یہ وہی ہنسی ہے جو دامن فاران کے اُن جبابرۂ کابر کے چہرے پر زہر خند بکر

چلی تھی، جو یہ سُنتے تھے کہ ایک نادار، یتیم بادیہ نشین، قیصر و کسریٰ کے خزانوں کی کنجیاں اپنے ان مفلوک الحال فاقہ زدہ ساتھیوں کے قدموں میں بتاتا ہے جن کی گزران کھجوروں کی گٹھلیوں پر ہوتی ہے۔ یہی ہنسی ہے جو آج ہر اس آواز کا استقبال کرتی ہے جو یہ اعلان کرتی ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کا نصب العین، اپنے صوبوں میں حکومتِ الٰہیہ کا قایم کرنا ہے، وہ ہنستے ہیں کہ :-

ذرۂ ناچیز و تعمیرِ بیابانے نگر

لیکن یہ ہنسی صرف انہی چہروں پر ہے جو اسلام کے مستقبل سے مایوس ہو چکے ہیں اور اس لیے کبھی خداوندانِ لندن کے خوانِ کرم کی زلہ چینی کرتے دکھائی دیتے ہیں اور کبھی آنند بھون کے دیوتاؤں کے بھکشا منگتے نظر آتے ہیں، یہ وہ ہیں جنہیں نہ اپنے خدا پر بھروسہ باقی ہے نہ اُسکے آخری پیغام کے وعدوں پر۔ یہ وہ ہیں جو اس حقیقت سے نا آشنا ہو چکے ہیں کہ،

نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

یہ وہ ہیں جن کی سمجھ میں یہ بات نہیں آسکتی کہ تین سو تیرہ نفوس پر مشتمل ایک مٹھی بھر جماعت اونٹوں کی پسلیاں اور کھجوروں کی ٹہنیاں ہاتھ میں لیکر کفارِ عرب کی متحدہ قوتوں کو ریگِ بیابان کی طرح منتشر کرسکتی ہے، ان ہنسنے والے مسلمان حضرات سے اتنا پوچھنا چاہیے کہ جو نصب العین ہم نے پیش کیا ہے وہ صحیح اسلامی نصب العین ہے یا نہیں، اگر ہے تو کیا انہیں خدا کے اس وعدے پر بھی یقین ہے یا نہیں کہ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ ۵۸/۲۲ "یاد رکھو کامیابی صرف خدا کی جماعت کے لیے ہے" اور اگر اس پر بھی ان کا ایمان ہے تو پھر اس حزب اللہ کی تشکیل و تعمیر میں تمام قوتیں صرف کرنا صحیح مسلک ہوگا جو حکومتِ الٰہیہ کے نصب و قیام کا ذریعہ ہو، یا کفر و اسلام کے باہمی امتزاج سے ایک ایسی جماعت کی تخلیق جس کا تصور یقیناً غیر قرآنی ہے اور جس کا مطمحِ نظر ایک ایسی جمہوریت قایم کرنا ہے جس میں اکثریت بہر حیث غیر مسلموں کی ہوگی۔ اور اکثریت کے فیصلے مُلک کا قانون بنا کریگے، سوچیے کہ مسلمانوں کے لیے وہ کونسی راہ ہے جو خدا اور رسول کی تجویز فرمودہ ہے اور وہ کون سی جو ہندو نے اپنی مصلحت کی خاطر انکے لیے تجویز کر رکھی ہے۔

کہیے ان قومیت پرست مسلم حضرات سے کہ وہ اس اسلامی نصب العین کا اعلان کر دیں اور پھر دیکھیں کہ وہ شمعِ آزادی کے پروانے ہوتے ہوئے ہندوؤں کے نزدیک "محب الوطن اور حریت پسند" قرار پاتے ہیں یا ایسے ہی "ٹوڈی اور انگریز پرست" جیسے آج وہ مسلمان ہیں جو اپنی تنظیم کو مقدم سمجھتے ہیں - ان فی ذلک لبصائر لقوم یعقلون ۔

---

(۴) سیاست مغرب

جب جاپان نے چین پر بمباری شروع کی تو انگلستان کے وزیر اعظم مسٹر چیمبرلین نے ۲۱ جون ۱۹۳۸ء کو دارالعوام میں تقریر کرتے ہوئے کہا :-

> یقین مانیے کہ اگر چین کا ملک ہم سے اتنی دُور نہ ہوتا اور جو واقعات وہاں رونما ہو رہے ہیں وہ اس بُعد کی وجہ سے یوں ہماری نگاہوں سے پوشیدہ نہ ہوتے۔ تو میرا خیال ہے کہ ان ہولناک مناظر کے احساس سے ہمدردی، خوف اور نفرت کے جو جذبات ہماری قوم کے دل میں موجزن ہوتے وہ ہمیں ایک ایسی روش اختیار کرنے پر مجبور کر دیتے جو ابھی تک ہمارے تصور میں نہیں آئی ..... بین الاقوامی قوانین کی رُو سے ہوائی جنگ کے لیے کم از کم تین اصول ایسے ہیں جن کو کبھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا سب سے پہلے یہ کہ شہری (Civil) آبادی پر بمباری کرنا کسی طرح بھی جائز نہیں قرار دیا جا سکتا دوسرے یہ کہ جن چیزوں پر بم پھینکے جائیں انکے متعلق حتمی طور پر معلوم ہو کہ وہ فوجی (حربی) شعبہ سے تعلق رکھتے ہیں اور تیسرے یہ کہ اُن پر بمباری کرنے میں بھی غایت احتیاط سے کام لیا جائے۔"

یہ نظریہ اُسوقت پیدا ہوتا ہے جب بم پھینکنے والی قوم سے سیاسی مخالفت ہو، اور اس قوم کے خلاف نفرت پیدا کرنا اپنے لیے مفید مطلب، لیکن جب بم پھینکنے والا خود انگریز ہو اور بمباری سرحدی قبائل کی آبادی پر کیجائے۔ اور بحوالہ صدر بین الاقوامی قوانین کو توڑ کر تھوڑے سے عرصہ میں سات ہزار بم گرائے جا چکے ہوں (تقریر مسٹر عبدالقیوم، لیجسلیٹو اسمبلی، مورخہ ۱۶ ۔ ۹) تو کسی چیمبرلین کے سینہ میں مظلوم

سے ہمدردی اور ظالم سے نفرت کے جذبات موجزن نہیں ہوتے۔

یہ ہے سیاستِ مغرب کا وہ اُصولِ عدل و انصاف جسے آج دُنیا کو جہنم بنا رکھا ہے۔

---

(۵) ہاتھی کے دانت ......

(۱) پنڈت جواہر لال نہرو نے نواب محمد اسمٰعیل خاں کو اپنی چٹھی مؤرخہ ۳۸ء میں لکھا تھا:-

"آپ نے کہا ہے کہ کانگریس نے مسلم رابطۂ عمومی Mass Contact کی تحریک کو مسلم لیگ کے خلاف چیلنج کے طور پر جاری کیا ہے میں آپ کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ یہ خیال غلط ہے"

آپ نے تردید ملاحظہ فرمالی۔ اب حقیقت ملاحظہ فرمایئے بمبئی صوبہ کانگریس کمیٹی میں مسٹر موسانی نے ایک ریزولیوشن پیش کیا جس میں انہوں نے کہا:

مسٹر جناح نے اپنی خط وکتابت میں جس ذہنیت کا مظاہرہ کیا ہے اس سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ مسلم لیگ کے توسط سے ہندو مسلم اتحاد کی کوشش کرنا بالکل بیکار ہے کیونکہ ہر ایسا معاہدہ جو مسلم لیگ کے نزدیک قابل قبول ہوگا، یقیناً قومیت پرستی، اور جمہوریت کے اُصول کے منافی ہوگا۔ بمبئی صوبائی کانگریس کمیٹی اُمید کرتی ہے کہ کانگریس صلح کی گفت وشنید کے سلسلہ کو بند کرکے مسلمانوں کے عوام کو کانگریس کے حلقہ بگوش بنانے میں اپنی کوششوں کو دوچند کردے گی" (ہندوستان ٹائمز۔ مؤرخہ ۲ ۳۸ء)

اور اس پر پنڈت جی اعلان فرمارہے ہیں کہ یہ خیال باطل ہے کہ کانگریس نے مسلم رابطۂ عمومی کی تحریک کو مسلم لیگ کے علی الرغم جاری کیا ہے، لیکن پنڈت جی پر نہیں کہ جس سیاست میں خدا کا تصور نہ ہو وہاں اس قسم کے تضاد سب جائز ہیں۔ گلہ تو ان "خداپرستوں" پر ہے، جو قوم کو یہ یقین دلاتے ہیں کہ ہندو کے کسی طرزِ عمل کو شبہ کی نگاہ سے نہ دیکھو۔

(ب) اسی قسم کے تضاد کی ایک اور مثال ملاحظہ فرمائیے۔

پنڈت جی نواب صاحب موصوف کو اپنی چٹھی مورخہ ۲۶ میں تحریر فرماتے ہیں

"یہ بات کسی کے لئے زیبا نہیں کہ وہ یہ کہے کہ وہ مسلمان جو کانگریس کی حمایت کرتے ہیں انہیں کانگریس کسی قسم کی مالی امداد دیتی ہے۔" (ہندوستان ٹائمز، مورخہ ۴)

یہ دعوے تھا، اب اس کی حقیقت ملاحظہ فرمائیے:۔

"سٹی کانگریس کمیٹی کا ایک اجلاس زیر صدارت پنڈت بال کرشن شرما منعقد ہوا جس میں کمیٹی نے فیصلہ کیا کہ مسلمانوں کا اخبار "انصاف" چونکہ کانگریس کی پالیسی یعنی مسلم رابطہ عوامی کی تحریک کی حمایت کرتا ہے، اس لئے اُسے دس روپیہ فی ہفتہ کے حساب سے مدد دی جائے۔"

(ہندوستان ٹائمز مورخہ ۱۲)

معلوم نہیں کانگریس نے اس خبر کی اشاعت پر اس سٹی کانگریس کمیٹی کا کیا حشر کیا ہوگا؟ کہ اس قسم کے رازوں کی طشت ازبام کرنے کے لیے تھوڑے ہوتے ہیں!!

(۴) مذہب اور سیاست

ہم شروع سے اس حقیقت کو بے نقاب کر رہے ہیں کہ کانگریس کی منظم سازش یہ ہے کہ کسی طرح یہ بات مسلمان نوجوانوں کے ذہن نشین کرا دی جائے کہ سیاست کو مذہب سے کوئی واسطہ نہیں بلکہ مذہب ہمیشہ انسانی ترقی کے راستے میں مزاحم ہوتا ہے اس لیے انسانیت کی فلاح اس تحریک میں ہے جس سے مذہب کو الگ کیا جائے، سابقہ پرچہ میں آپ مسٹر دلابھائی ڈیسائی کی تقریر کے اقتباسات ملاحظہ فرما چکے ہیں اس دفعہ دو ایک مثالیں اور دیکھئے۔ آنریبل مسٹر کے ایم منشی ہوم منسٹر حکومت بمبئی، نے طلباء کے ایک اجتماع میں تقریر کرتے ہوئے کہا:۔

"جس قدر رجحانات، مذہب یا زبان یا ایسے ہی چھوٹے چھوٹے مسائل کی بنا پر، قومیت پرستی کے خلاف پیدا ہوتے ہیں، کانگریس ان رجحانات کی مخالفت میں ایک مسلسل جدوجہد کا نام ہے، من حیث القوم ہماری کمزوری کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ بعض

لوگوں کیطرف سے ایک واہمہ پیدا کردیا گیا ہے کہ مذہب یا ملّت کا رشتہ، قومیت کے رشتہ کی جگہ وجہ جامعیت ہو سکتا ہے، یہ ایک بڑا مُہلک دہوکا ہے، یاد رکھیئے مذہب یا ملّت کا رشتہ ہمیشہ قومیت کے بلند ترین رشتہ کے ماتحت رہنا چاہیئے۔ یہ تصور ہی ہندوستان کو محکم اور آزاد بنا سکے گا۔" (نیشنل کال مورخہ ۲۰ ۹/۳۸)

معلوم نہیں مسٹر منشی اس باب میں مولانا حسین احمد صاحب کے نظریہ قومیت (قومیں اوطان سے بنتی ہیں نہ کہ مذہب سے) سے متاثر ہوئے ہیں، یا ان ہر دو حضرات کا سرچشمۂ ہدایت ایک ہی "آسمان" ہے

ڈاکٹر بی، پٹابھی، سیتارامیا۔ کانگریس کی مجلس عاملہ کے ایک رکن نے، سودیشی نمائش پٹنہ کا افتتاح کرتے ہوئے اپنی تقریر میں کہا:۔

"ہمارا معاشرتی نظام، جو ہزاروں برس ہوئے وجود میں آیا تھا۔ اس کی رُو سے افلاس کا ناطہ علم اور عظمت کے ساتھ جوڑ دیا جاتا تھا لیکن اب زندگی کی متضاد قوتوں میں توازن پیدا ہو چکا ہے، اشتراکیت (کمیونزم) اور اشتمالیت (سوشلزم)، دورِ حاضرہ کے نظریۂ حیات (ISMS) ہیں اور ہندوازم، اور اسلام ازم، عہد کہن کی یادگاریں، ہمیں چاہیئے کہ ہم اُن کی بُنیاد دونکا از سرِ نو امتحان کریں،، (ہندوستان ٹائمز۔ مورخہ ۱۹ ۹/۳۸)

ڈاکٹر سیتارامیا صاحب۔ ہندو مذہب کے ناقص اور اساطیر الاولین ہونے کے متعلق جو جی میں آئے کہیں۔ ہمیں اس سے تعرض نہیں لیکن انہیں اس بات کا کیا حق پہنچا ہے کہ وہ دوسروں کے مذہب کے متعلق اس قسم کے خیالات کا اعلان کریں۔ انہیں کیا معلوم کہ اسلام کیا ہے؟ ہمارے قومیت پرست علماء ان تمام خرافات کو بگوشِ ہوش سنتے ہیں اور نہ معلوم کون سے مصالح گلوگیر ہو جاتے ہیں کہ ان کے خلاف ایک لفظ بھی زبان سے نہیں کہہ سکتے، دوسروں کی جرأتوں اور ان کی خاموشیوں کا نتیجہ یہ ہے کہ آج مسلمانوں کا آزاد خیال طبقہ اسلام سے متنفر ہو چکا ہے، شعائر اسلامی کی علانیہ تضحیک کی جاتی ہے، دینداری انکے نزدیک انتہائی حماقت اور جہالت کے مرادف قرار پا چکی ہے۔ پھر یہ بھی دیکھیئے کہ مہاتما گاندھی کے متعلق بڑے فخر و مباہات سے اعلان ہوتا ہے کہ "باوجودیکہ تکان کی وجہ سے وہ بہت مضمحل

ہورہے تھے، لیکن انھوں نے شام کی پرارتھنا کا ناغہ نہیں کیا"۔ (ہندوستان ٹائمز۔ مؤرخہ ۹/۴ ۳۲)
اور انھوں نے "۲۵ ستمبر کی صبح ہریجن آبادی میں ایک پرارتھنا استھان کا سنگِ بنیاد رکھا" (ایضاً) اور وہی
ہندو جو مذہب کو ہندوستان کی آزادی کے راستے میں خطرناک چٹان قرار دیتے ہیں، انہیں ایسے
کاموں پر مبارک باد کے تار بھیجتے ہیں، لیکن مسلمانوں کی یہ حالت ہے کہ ہزارہ پولیٹیکل کانفرنس میں
جب ایک مسلم خاتون تقریر کے لیے سٹیج پر آئیں تو کسی مسلمان نے نعرۂ تکبیر بلند کیا تو اس پر یہ کانگریسی مسلم خاتون
سخت برافروختہ ہوئیں اور کہا کہ کانگریس کے جلسوں میں نعرۂ تکبیر کے بجائے کانگریس کے نعرے
لگانے چاہئیں +

پھر اور دیکھئے، مہاتما گاندھی ہندوستان کی سیاست کو اپنے مذہب "اہنسا" سے ایک سیکنڈ کے لیے
جدا کرنا نہیں چاہتے، اور سب کے نزدیک قابلِ پرستش قرار پاتے ہیں، لیکن اگر کوئی مسلمان سیاسی تحریک
میں مذہب کا نام لے لیتا ہے تو ایک ہنگامہ برپا کر دیا جاتا ہے، چنانچہ ڈاکٹر اشرف صاحب، کانگریس
کے شعبۂ اسلامیات کے انچارج، ایک مضمون میں لکھتے ہیں :۔

"جن طریقوں سے مسلم لیگ پروپیگنڈا کرتی ہے، ان کی بابت کم از کم اتنا وثوق کے ساتھ
کہا جا سکتا ہے کہ وہ غیر شریفانہ اور بعض اوقات صاف طور پر ذلت آمیز اور عموماً اشتعال
انگیز ہوتے ہیں۔ اُن کی اپیل مذہبی اور فرقہ وارانہ تعصبات ہی تک محدود رہتی ہے
اور اس کو بہت کم امن پسندی سے تعلق ہوتا ہے، اقتصادی اور سیاسی مسائل کا
تذکرہ تک نہیں کیا جاتا۔ ان حالات کے ماتحت یہ کوئی تعجب کی بات نہیں اگر ایکبار تبہ
صدر کانگرس کو مجبوراً ان طریقوں کو "ایامِ جہالت کی سیاست" سے تعبیر کرنا پڑا۔"

(ہندوستان ٹائمز مورخہ ۱۴/۹ ۳۸)

آپ کو یاد ہے کہ صدر کانگریس نے کس موقع پر یہ عنبر افشانی فرمائی تھی؟ بجنور کے انتخاب کے موقع پر کسی
شخص نے لیگ کے اُمیدوار کی حمایت میں ایک اشتہار شائع کیا تھا، جس میں مسلمانوں سے مذہب کے
نام سے اپیل کی گئی تھی کہ وہ ایسے اُمیدوار کے حق میں رائے دیں جو ایسی جماعت کی نمائندگی کر رہا

ہے جو خالص مسلمانوں پر مشتمل ہے نہ کہ ایسی جماعت کی جو مسلم و غیر مسلم کے امتزاج سے متحدہ قومیت کی مدعی ہے اس پر پنڈت جواہرلال نہرو اپنے غصہ کو ضبط نہ کرسکے۔ اور فرمایا کہ الیکشن جیسے خالص "سیاسی" معاملہ میں خدا کو ساتھ بلا لینا "ایام جہالت کی سیاست" ہے، پنڈت جواہرلال جیسے خدا کے منکر، دہریہ کی زبان سے ان الفاظ کا نکلنا کوئی تعجب انگیز بات نہ تھی لیکن ڈاکٹر محمد اشرف صاحب کو ملاحظہ فرمائیے کہ مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہوتے ہیں، مسلمانوں جیسا نام بھی رکھتے ہیں، ماشاء اللہ کانگریس کے شعبۂ اسلامیات کے معتمد بھی ہیں، لیکن "سیاست" میں خدا اور رسول کا نام ان کے نزدیک بھی انتہائی جہالت ہے!

سچ ہے ؎

اگر شاہ روز را گوید شب است ایں
بباید گفت اینک ماہ و پروین!

---

(۷) مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ

قرآن کریم نے مسلمانوں کو غیر مسلموں کی دوستی سے بڑی سختی سے منع فرمایا ہے، اور اس حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کے متعلق ارشاد فرمایا ہے کہ جو ایسا کرے گا وہ انہی میں سے ہو جائے گا۔ ایسا کرنے والوں کا خدا کے ہاں کس طرح غیر مسلموں کی فہرست میں اندراج ہو جاتا ہے، وہ تو الگ چیز ہے، لیکن ایسے لوگوں کی ذہنیت کس طرح غیر مسلموں کے قالب میں ڈھل جاتی ہے۔ اسکے مظاہرے تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہوتے رہتے ہیں، کہیں ارادی طور پر، کہیں غیر ارادی طور پر، ڈاکٹر اشرف صاحب جن کا ذکر ابھی ابھی کیا جا چکا ہے، لامحالہ مسلمان ہیں، لیکن ان کی ذہنیت کس قسم کی ہو چکی ہے، اس کا اندازہ اس سے لگائیے کہ وہ جب مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہیں تو اس اسلوب سے کہ اپنے آپ کو ان میں شامل نہیں کرتے بلکہ ان سے اس طرح باتیں کرتے ہیں، گویا یہ کسی اور قوم کے فرد ہیں اور مسلمان کسی مختلف قوم کے افراد فرماتے ہیں کہ:-

"یہ کوئی نئی بات نہیں کہ کانگریس مسلمانوں کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کر رہی ہے

مسلمانوں سے ہمارا میل جول اتنا ہی پرانا ہے، جتنی پرانی کانگریس ہے۔ اب سے بہت پہلے، ۱۸۸۷ء میں بدرالدین طیب جی نے مدراس میں کانگریس اجلاس کی صدارت کی، اور اس کے بعد بھی بہت سے مشہور مسلمانوں نے ہماری جماعت میں ذمہ دار عہدے لیے۔ اور مسلمانوں تک کانگریس کا پیغام پہنچانے میں ہماری مدد کی........ ہمارے کام کی اہمیت اس بات سے ظاہر ہوتی ہے کہ اگرچہ ابھی تک ہم نے کوئی باقاعدہ اور سنجیدہ کوشش نہیں کی، لیکن پھر بھی ہر جگہ مسلمان ہماری اس تحریک کا خیر مقدم کر رہے ہیں۔" (ہندوستان، ۱۴؍ اگست ۱۹۳۸ء)

یعنی جب ڈاکٹر صاحب ہم یا ہماری جماعت کہتے ہیں تو اس سے مراد مسلمان یا مسلمانوں کی جماعت نہیں ہوتی، وہ اپنے آپ کو مسلمانوں سے الگ تصور کرتے ہیں، جب متحدہ قومیت کا تخیل ذہن پر مسلط ہو جائے تو اس کا فطری نتیجہ یہی ہونا چاہیئے، جس کا مظاہرہ ڈاکٹر صاحب کی ذہنیت کر رہی ہے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ کیا آپ نے کبھی کسی ہندو کو بھی ایسا کہتے سنا ہے؟ کبھی نہیں سنا ہوگا؟ یہ کیوں! اس لیے کہ متحدہ قومیت نام ہی اکثریت کی قومیت کا ہے، برعکس اس کے جب کوئی اقلیت کسی متحدہ قومیت کا جزو بنتی ہے اُسے اپنے آپ کو اس کُل کا جزو بنا کر اپنے جُداگانہ قومی تشخص کو متحدہ قومیت کے اندر جذب کر دینا پڑتا ہے، یہ ہے تفسیر فَاِنَّهٗ مِنۡهُمۡ کی، کہ وہ انہی میں سے ہو جاتا ہے ـــ عشرتِ قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا

---

(۸) نشۂ حکومت کی بدمستیاں

مسٹر جناح نے ایک مرتبہ کہیں یہ کہہ دیا کہ کانگریس کو نشۂ حکومت نے بدمست کر دیا ہے اور وہ عدل اور راستی کی روش کو چھوڑ رہی ہے، اس پر تمام کانگریسی رسائل و جرائد، ہندو مسلمان قومیت پرست لیڈر اور ایڈیٹر یوں برس پڑے، گویا ان کے مُنہ سے کلماتِ کفر نکل گئے ہیں، لیکن جادو وہ جو سر چڑھ کے بولے، مہاتما گاندھی نے اخبار "ہریجن" میں ایک مضمون شائع کیا ہے جس میں وہ لکھتے ہیں:۔

"گزشتہ اشاعت میں میں نے لکھا تھا کہ کانگریس میں تشدد زور پکڑ رہا ہے، اس کے بعد جو مراسلے

اور اطلاعیں موصول ہوئی ہیں، ان سے پایا جاتا ہے کہ واقعی اب کانگریسی لوگ راستی اور عدم تشدد چھوڑ کر تشدد پر اتر آئے ہیں، یوں معلوم ہوتا ہے کہ کانگریس کو جو تھوڑی بہت طاقت حاصل ہوئی ہے، وہ کانگریسیوں کو ہضم نہیں ہو سکی۔" (بحوالہ انقلاب ۹/۴۸ ص)

نشۂ حکومت کا فطری نتیجہ اس قسم کی سرکشی اور تمرد ہے، اور اس سے انگریز بچ سکتا ہے، نہ ہندو، اسی لئے تو قرآن کریم نے کسی انسان کو دوسرے انسان پر حکومت کرنے کا حق نہیں دیا۔ اور ان الحکم الا للہ، کے عدیم النظیر فلسفۂ حکمت وسیاست سے اعلان فرمایا کہ:۔

سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے، حکمراں ہے اِک وہی باقی بتانِ آذری!

---

(۹) کانگریسی وزراء کے اخراجات

کانگریس کا دعوے یہ ہے کہ غریبوں کے مصائب اور فاقہ زدوں کی مشکلات نے اسے مجبور کیا ہے کہ وہ ایک ایسا نظام حکومت قائم کرے جس کی رُو سے مُلک کا افلاس دُور ہو جائے، چنانچہ اس مقصد عظمےٰ کی پہلی کڑی یہ تھی کہ کانگریسی وزراء کی تنخواہ پانصد روپیہ ماہوار تک محدود کر دی گئی لیکن یو، پی کونسل کے اجلاس میں بعض سوالات کے جواب میں بڑی دلچسپ حقیقتوں کا انکشاف ہوا ہے، وہاں بتایا گیا کہ کانگریسی وزیر مسز پنڈت کی تنخواہ تو پانچ ہی سو روپیہ ہے۔ لیکن انکے خانگی ملازموں کا بِل ان کی تنخواہ سے بھی زیادہ ہوتا ہے اور انکے مکان کا کرایہ/۱۸۴ روپیہ ماہوار کے حساب سے ادا کیا گیا ہے، (انقلاب مورخہ ۹/۴۸)، ان تین موٹی موٹی شقوں کی میزان قریب ڈیڑھ ہزار روپیہ ماہوار ہو گئی۔ اور ابھی موٹر کا خرچ، سفر خرچ اور نہ معلوم کون کون سی مدات کے خرچ خزانۂ عامہ سے ادا ہوتے ہیں، یہ ہے نمونہ "غریبوں کی حکومت" کا، اور پھر اس وزیر کا جو ایک سوشلسٹ گھرانے کی چشم وچراغ ہیں۔

اسکے برعکس جب دُنیا میں "خدا کی حکومت" قائم تھی، اُس خدا کی جس کا تصور، سوشلسٹوں کے نزدیک، (نعوذ باللہ) اسلیے پیدا کیا گیا ہے۔ کہ اس سے سرمایہ داری کی حفاظت ہو سکے، اس میں وزیر سلطنت نہیں بلکہ صدرِ حکومت خلیفۃ المسلمین کے اخراجات کیا تھے، انکی تفصیل خود حضرتِ عمرؓ

کے الفاظ میں سنیئے، فرمایا:۔

اخبرکم بما یستحل لی منه حلتان: حلة فی الشتاء وحلة فی القیظ. وما احج علیه واعتمر من الظهر وقوتی وقوت اهلی کقوت رجل من قریش لیس باغناهم ولا بافقرهم ثم انا بعد رجل من المسلمین یصیبنی ما اصابهم
(ابن سعد - جلد ۳ - ص ۱۹۵)

میں خود بتاتا ہوں کہ بیت المال سے مجھے کتنا لینا جائز ہے؟ دو جوڑے کپڑے، ایک جاڑے کا، اور ایک گرمی کا، ایک سواری جس پر حج اور عمرہ ادا کروں اور قریش کے ایک متوسط الحال آدمی کے اخراجاتِ طعام کے برابر اپنے اور اپنے اہل و عیال کے لیے اخراجات طعام۔ اس کے بعد میں ایک ادنیٰ مسلمان ہوں، جو ان کا حال ہے وہی میرا حال ہے۔

یہ تو تھی بارِ مصارف کی تفصیل، اب احساسِ ذمہ داری ملاحظہ ہو کہ اپنے آخری وقت میں بیٹے کو بلایا اور کہا کہ میں نہیں کہہ سکتا کہ میں نے جس قدر مسلمانوں کے بیت المال سے اپنے اخراجات کے لیے لیا ہے اسکے بدلے اُن کی اتنی خدمت بھی کر سکا ہوں یا نہیں! چھوٹا سا مکان ذاتی ملکیت کا ہے اُسے فروخت کر کے زرِ ثمن سے بیت المال کا حساب ادا کر دو تاکہ خدا کے حضور کم از کم اس ایک بار سے تو سبکدوش ہو جاؤں!!

یہ تھی "خدا کی حکومت" حقیقت یہ ہے کہ جب تک انسان اپنے بنائے ہوئے قوانین و نظریات کے مطابق زندگی بسر کرنا چاہتا ہے، مزدور کی حکومت ہو یا سرمایہ دار کی، نوعِ انسانی کے لیے نتیجہ ایک سا، تھوڑے سے وقت کے لیے ایک دھوکا ہوتا ہے جس میں کبھی انسان اپنے آپ کو مبتلا رکھتا ہے کبھی دوسروں کو، لیکن اس کی فطرت جس زندگی کی تلاش میں بے قرار ہوتی ہے، وہ اُسے کبھی نہیں مل سکتی یہ صرف اسوقت مل سکے گی، جب مزدور ہو یا سرمایہ دار، سب اپنے آپ کو خدا کے احکام کے تابع کر دیں گے۔ بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ، اور برضا و رغبت، بخلوص نیت اُس کی غلامی کا طوق اپنی گردن میں ڈال لیں گے، یہ وہ نظامِ زندگی ہوگا، جس میں انسان صحیح معنوں میں آزادی کا سانس لے سکے گا، اور یاد رکھیے قرار و ثبات صرف اسی ایک نظام کے لیے ہے، انسان کے وضع کردہ نظام کبھی دیرپا نہیں ہو سکتے۔

گر جہاں دانند حاشش را حرام! 　 تاقیامت پختہ ماند این نظام!

ملّت بے امام

(اسد ملتانی)

ہر آں ملت کہ محرومِ امام است ‌‌ چو انبوہِ بہائم بے نظام است
امامے گیر بہرِ حفظِ آئین + ‌‌ کہ ملت را ز آئین انتظام است
بر آئینے است رفتارِ کواکب، ‌‌ ازاں ایں کاروانِ گردوں خرام است
دلے پیدا کن اندر جسم ورنہ، ‌‌ بہ چشم و گوش تفریق دوام است
نیابی تا ز ابروے اشارت ‌‌ اگر قرباں شوی مرگِ حرام است
جماعت توسنِ تند است و سرکش ‌‌ ندانم شہسوارِ آں کدام است
بگو آخر زمامش در کفِ کیست ‌‌ گرفتم ناقہ، ما تیز گام است
نگاراں بے شمار اما نہ بینم ‌‌ بتے کو دلبرِ ہر خاص و عام است
ہزار انجم نیفروزند شب را ‌‌ کجا یک جلوۂ ماہِ تمام است،
بہ مسجد بیں صلواتِ بے اماماں! ‌‌ "یکے در سجدہ دیگر در قیام است"
اگر در بزم شمعے نیست روشن، ‌‌ دلِ پروانگاں در سوزِ خام است
اگر کشتی رود بے ناخدائے، ‌‌ بہ آخر زیرِ دریایش مقام است
اگر در انجمن ساقی نہ باشد، ‌‌ چہ سود از بادہ و مینا و جام است
بر آں لشکر کہ سرِ لشکر ندارد، ‌‌ بہ میدانِ دغا رفتن حرام است
نباشی تا غلامِ پختہ کارے ‌‌ خیالِ سروری سودائے خام است
ہر آں ملت کہ آقائے ندارد ‌‌ غلام است و غلام است و غلام است

بمیرم از خجالت چوں بپرسند
اسدؔ میرِ مسلماناں کدام است

مسلمانوں کا سیاسی مسلک

(حضرت مولانا ابوالکلام آزاد)

۱۹۱۲ء میں حضرت مولانا ابوالکلام آزاد کو کسی صاحب نے ایک خط لکھا تھا جس میں یہ تجویز پیش کی تھی کہ پولٹیکل مباحث مذہب سے الگ ہونے چاہئیں اور یہ دریافت کیا تھا کہ ہندوستان میں جتنے پولٹیکل گروہ موجود ہیں، الہلال ان میں سے کس کا ساتھ دیتا ہے؟ مولانا نے اس خط کا جو جواب شرح و بسط سے لکھا تھا، اس میں سے متعلقہ اقتباسات ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔ "طلوع اسلام"

"آپ فرماتے ہیں کہ پولٹیکل مباحث کو مذہبی رنگ سے الگ کر دیجیے، لیکن اگر الگ کر دیں تو ہمارے پاس باقی کیا رہ جاتا ہے؟ ہم نے تو اپنے پولٹیکل خیالات بھی مذہب ہی سے سیکھے ہیں، وہ مذہبی رنگ ہی میں نہیں بلکہ مذہب کے پیدا کیے ہوئے ہیں ہم انہیں مذہب سے کیونکر الگ کر دیں، ہمارے عقیدے میں تو ہر وہ خیال جو قرآن کے سوا اور کسی تعلیم گاہ سے حاصل کیا گیا ہو۔ ایک کفر صریح ہے اور پالٹکس بھی اسی میں داخل ہے۔ افسوس ہے کہ آپ حضرات نے اسلام کو کبھی بھی اس کی اصلی عظمت میں نہیں دیکھا۔ ما قدروا اللّٰہ حق قدرہ۔ ورنہ اپنی پولٹیکل پالیسی کے لئے نہ تو گورنمنٹ کے دروازے پر جھکنا پڑتا اور نہ ہندوؤں کے اقتدا کرنے کی ضرورت پیش آتی۔ اُس سے سب کچھ سیکھتے جس کی بدولت تمام دنیا کو آپ نے سب کچھ سکھلایا تھا۔ اسلام انسان کے لئے ایک جامع اور اکمل قانون لے کر آیا اور انسانی اعمال کا کوئی مناقشہ ایسا نہیں جسکے لئے وہ حکم نہ ہو، وہ اپنی توحید تعلیم میں نہایت غیور ہے اور کبھی پسند نہیں کرتا کہ اس کی چوکھٹ پر جھکنے والے کسی دوسرے دروازے کے سائل بنیں مسلمانوں کی اخلاقی زندگی ہو یا علمی، سیاسی ہو یا معاشرتی، دینی ہو یا دنیوی حاکمانہ ہو یا محکومانہ،

وہ ہر زندگی کے لیئے ایک اکمل ترین قانون اپنے اندر رکھتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ دُنیا کا آخری اور عالمگیر مذہب نہ ہو سکتا۔ وہ خدا کی آواز اور اُس کی تعلیم گاہ خدا کا حلقۂ درس ہے۔ جس نے خدا کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا وہ پھر کسی انسانی دستگیری کا محتاج نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے ہر جگہ اپنے تئیں امام مبین، حق الیقین، نور، وکتاب مبین، تبیاناً لکل شیٔ، بصائر للناس، ہادی و اہدیٰ الی السبیل، جامع احزاب و امثال، بلاغ للناس، حادی بحر و بر، اور اسی طرح کے ناموں سے یاد کیا ہے۔ اکثر موقعوں پر کہا کہ وہ ایک روشنی ہے، اور روشنی جب نکلتی ہے تو ہر طرح کی تاریکی دُور ہو جاتی ہے، خواہ مذہبی گمراہیوں کی ہو خواہ سیاسی۔ .... ہماری پولیٹیکل گمراہیاں صرف اس لیئے ہیں کہ ہم نے قرآن کے دستِ رہنما کو اب تک اپنا ہاتھ سپرد نہیں کیا، ورنہ تاریکی کی جگہ آج ہمارے چاروں طرف روشنی ہوتی .... پس یہ کیونکر ممکن ہے کہ ایسے پیرو اپنی زندگی کے ایک ضروری حصے یعنی سیاسی اعمال کے لیئے دوسروں کے دروازے کے سائل بنیں۔ حالانکہ خود قرآن انکے پاس ایک حکم اور ایک امام مبین ہے۔ .... پس اگر آپ کو یہ خلجان پریشان کیئے ہوئے ہے، تو افسوس ہے کہ ہم اُسے دُور نہیں کر سکتے، اگر ہم کو اپنے مقاصد کے بالتفصیل بیان کرنے کی مہلت نہیں ملی تو مضائقہ نہیں، وہ نہایت مختصر لفظوں میں بھی آج سنائے جا سکتے ہیں، ہم بالاختصار عرض کر دیتے ہیں کہ الہلال کا مقصدِ اصلی اسکے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ وہ مسلمانوں کو اُنکے تمام اعمال و معتقدات میں صرف کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ پر عمل کرنے کی دعوت دیتا ہے اور خواہ تعلیمی مسائل ہوں، خواہ تمدنی، سیاسی ہوں، خواہ اور کچھ وہ ہر جگہ مسلمانوں کو صرف مسلمان دیکھنا چاہتا ہے۔"

"آپ کا دوسرا سوال یہ ہے کہ ہندوستان میں پولیٹیکل خیالات کے تین راستے موجود ہیں۔ الہلال کس راہ پر قوم کو چلانا چاہتا ہے۔ پھر آپ نے اُن کو گنوا بھی دیا ہے لیکن افسوس ہے کہ آپ ایک چوتھی راہ بالکل بھول گئے۔ یہ تین راستے تو آج آپ کے سامنے نمودار ہوئے ہیں مگر وہ چوتھی راہ تو وہ قدیمی راہ ہے جس پر چلکر ہزاروں ہستیاں منزلِ مقصود تک پہونچ چکی ہیں۔ آسمان و زمین کے فاطر نے جس وقت انسانوں کو آنکھیں دیکھنے کے لیئے عطا فرمائیں، اُسی وقت اُسکے سامنے یہ راہ بھی کھول دی

تھی۔ آدمؑ نے اسی رستہ پر قدم رکھا اور نوحؑ نے پتھروں کی بارش میں اس کا وعظ کہا ابراہیمؑ نے اسی کی نشانی کے لیے قربانگاہ بنائی اور اسمٰعیلؑ نے اسکے لیے اینٹیں چنیں۔ یوسفؑ سے مصر کے قیدخانے میں جب ایک ساتھی نے پوچھا تو اسی راہ کی اُسنے رہنمائی کی اور موسٰیؑ جب وادیٔ ایمن میں روشنی کے لیے بے قرار ہوا تو اسی راہ کی تجلی ایک سبز درخت کے اندر نظر آئی تھی کا اسرائیلی واعظ جب یروشلم کے قریب ایک پہاڑ پر چڑھا تو اس کی نظر اسی راہ پر تھی اور پھر جب خداوند سعیر سے چمکا اور فاران کی چوٹیوں پر نمودار ہوا تو وہی راہ تھی جس کی طرف اُسنے دنیا کو دعوت دی ....

اور جس کی نسبت داعیٔ اسلامؐ کو حکم ہوا تھا کہ کہہ دے :۔

ھٰذِہٖ سَبِیۡلِیۡۤ اَدۡعُوۡۤا اِلَی اللّٰہِ عَلٰی بَصِیۡرَۃٍ اَنَا وَ مَنِ اتَّبَعَنِیۡ ۱۲/۱۰۸

میرا راستہ یہ ہے۔ تم سب کو اللہ کیطرف بلاتا ہوں میں اور جو لوگ میرے پیرو ہیں سب عقل و بصیرت کے ساتھ اسی دین کے راستے پر ہیں۔

الحمدللہ کہ ہم "ومن اتبعنی" کے زمرے میں داخل ہیں اور اسی لیئے جناب کی قرار دی ہوئی ان تینوں انسانی راہوں سے کوئی واسطہ نہیں رکھتے بلکہ اسی چوتھی راہ الٰہی کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ یہ قرآن کی بتلائی ہوئی راہ صراط المستقیم ہے اور ہمارا عقیدہ ہے کہ جو مسلمان اپنے کسی عمل و اعتقاد کے لیے بھی اس کتاب کے سوا کسی دوسری جماعت یا تعلیم کو اپنا رہنما بنائے۔ وہ مسلم نہیں، بلکہ شرک فی صفات اللہ کیطرح شرک فی صفات القرآن کا مجرم اور اسلیئے مشرک ہے۔ وَالۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ ھَدٰىنَا لِھٰذَا وَ مَا کُنَّا لِنَھۡتَدِیَ لَوۡ لَاۤ اَنۡ ھَدٰىنَا اللّٰہُ ۷/۴۳ ....

"آپ پوچھتے ہیں کہ آج کل ہندوؤں کے دو پولٹیکل گروہ موجود ہیں۔ ان میں سے آپ کس کے ساتھ ہیں؟ گزارش ہے کہ ہم کسی کے ساتھ نہیں بلکہ صرف خدا کے ساتھ ہیں۔ اسلام اس سے بہت ارفع و اعلیٰ ہے کہ اسکے پیرووں کو اپنی پولٹیکل پالیسی قائم کرنے کے لیے ہندوؤں کی پیروی کرنی پڑے۔ مسلمانوں کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی شرم انگیز سوال نہیں ہوسکتا کہ وہ دوسروں کی پولٹیکل تعلیموں کے آگے جھک کر نیا راستہ پیدا کریں۔ ان کو کسی جماعت میں شامل ہونے کی

ضرورت نہیں، وہ خود دنیا کو اپنی جماعت میں شامل کرنیوالے اور اپنی راہ پر چلانے والے ہیں اور صدیوں تک چلا چکے ہیں، وہ خدا کے سامنے کھڑے ہو جائیں تو ساری دنیا انکے آگے کھڑی ہو جائیگی انکا خود اپنا راستہ موجود ہے، راہ کی تلاش میں کیوں اوروں کے دروازوں پر بھٹکتے پھریں، خدا ان کو سربلند کرتا ہے تو وہ کیوں اپنے سروں کو جھکاتے ہیں، وہ خدا کی جماعت ہیں اور خدا کی غیرت (و الغیرۃ من شان حضرۃ الربوبیۃ) اس کو کبھی گوارا نہیں کر سکتی کہ اس کی چوکھٹ پر جھکنے والوں کے سر غیروں کے آگے بھی جھکیں۔ ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہٖ ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء" (۴ : ۱۱۶)...... پس الہلال کی اور تمام چیزوں کی طرح پالٹکس میں بھی یہی دعوت ہے کہ نہ تو گورنمنٹ پر بے جا اعتماد کیجئے اور نہ ہندوؤں کے حلقۂ درس میں شریک ہوجئے: صرف اس راہ پر چلیئے جو کہ اسلام کی تبلائی ہوئی صراط المستقیم ہے.................. قرآن انتظام عالم کے لیے ضروری سمجھتا ہے کہ شخصی استیلاء و اقتدار کی مخالفت کرے اُس کی تعلیم یہ ہے کہ خدا کے سوا کوئی نہیں جو انسانوں کو محض اپنی رائے اور خواہش کے بنائے ہوئے احکام کی تعمیل پر مجبور کرنے کا حق رکھتا ہو

ما کان لبشر ان یؤتیہ اللہ الکتاب والحکمۃ والنبوۃ ثم یقول للناس کونوا عباداً لی من دون اللہ۔ (۳ : ۷۹)

یہ حق کسی بشر کو نہیں پہنچتا کہ اللہ تعالیٰ اُسے کتاب اور عقل اور حکم اور نبوت عطا کرے اور وہ لوگوں سے کہے کہ اللہ کو چھوڑ کر میری بندگی کرو

جس چیز کا اختیار انبیاء کرام کو نہیں اس کا حق کسی دنیوی طاقت و حکومت کو بھی نہیں مل سکتا البتہ وہ ملت اور جماعت کے اندر اپنی عقل کو مخفی بتلاتا ہے اور کہتا ہے کہ۔ ید اللہ علے الجماعۃ اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے۔ پس اسکے نزدیک وہی حکومت جائز ہو سکتی ہے جو شخصی نہ ہو، بلکہ ملت اور قوم کے ہاتھ میں ہو اسی بناء پر اُسنے مشورے کا حکم دیا۔

وامرھم شوریٰ بینھم (۴۲ : ۳۸)

اور ان کو حکم دیا کہ آپس میں مشورہ کر کے تمام کام انجام دیں۔

وشاورھم فی الامر (۳۳/۲۹)

اے پیغمبر تمام امور و معاملات کو مشورے کے ساتھ انجام دیا کرو۔

.... "یہ الہلال کی پالیسی ہے اور یہی دعوت ہے جس کی طرف ہم مسلمانوں کو بلانا چاہتے ہیں۔ یہ کسی انسانی دماغ کی اختراع نہیں، اور نہ کسی انسانی گروہ کا اتباع و تقلید ہے، بلکہ اس رب العلمین نے جسنے کتاب حکمت اور عدل و میزان کے ساتھ اپنے رسولوں کو دنیا میں بھیجا، یہ راہ ہمارے سامنے کھول دی ہے، وہ اگر توفیق بخشے تو اُس کی دی ہوئی زندگی کو اسی دعوتِ حق میں ختم کردینا چاہتے ہیں۔ نہ کسی سے جنگ ہے نہ کسی سے مناقشہ، ملک کی توقع اور نہ داد کی اُمید۔ اس راہ کے داعی کریم کو جو حکم دیا گیا تھا وہ ہمارے سامنے موجود ہے"......... "اگر مسلم لیگ مسلمانوں کی پولٹیکل راہ نمائی کرنا چاہتی ہے تو اس کو یہی راہ اختیار کرنی چاہیئے۔ واللہ یھدی من یشاء الی صراط المستقیم"۔

(مضامین آزاد، حصہ دوم)

اس کی توضیح میں مولانا فرماتے ہیں "ہم تو خود اسے مسلمانوں کی سب سے بڑی غلطی سمجھتے ہیں کہ ہمیشہ انہوں نے اپنے سامنے دو راستے ہی دیکھے، یا گورنمنٹ پر اعتماد اور یا ہندوؤں اور کانگرس کی شرکت، یعنی ہمیشہ آزادی سیاسی (؟)، کو ہندوؤں کا مرادف سمجھا مگر خود اپنے تئیں بھولے رہے اور اسلیے بھولے رہے، کہ خدا کو بھلا دیا۔

ولا تکونوا کالذین نسوا اللہ فانساھم انفسھم (۵۹:- ۲۰)

(ان لوگوں کیطرح گمراہ نہ ہو جانا جنہوں نے خدا کو بھلا دیا تھا، نتیجہ یہ نکلا کہ خود اپنے ہی کو بھول گئے)

اسی لیئے ہماری تمام سعی و جہد کا ماحصل یہ ہے کہ مسلمانوں کو یاد دلادیں کہ دنیا میں رہنے کے لیے جتنی چیزیں مطلوب ہیں وہ خود انکے پاس موجود ہیں، اوروں کے دروازوں کو دریوزہ گری کے لیئے کیوں تک رہے ہیں"۔ (الہلال ۲۹ ستمبر ۱۹۱۲ء)

یہ ۱۹۱۲ء کی باتیں ہیں۔ ان دنوں حضرت مولانا ابوالکلام آزاد قرآن کی روشنی میں ببانگ دُہل اعلان

فرماتے تھے کہ کانگریس میں شرکت سب سے بڑی ضلالت کی راہ ہے سیاست میں ہندؤں کی اتباع فاقتدا کفر و شرک ہے، مسلمانوں کو غیر قوموں کی کسی جماعت میں شامل ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ دُنیا کو خود اپنی جماعت میں شامل کرنے کے لیے پیدا ہوئے ہیں لیکن آج وہی مولانا آزاد سابقہ دلائل میں کوئی سقم بتائے بغیر کانگریس میں بنفس نفیس شامل ہیں، کانگریس کی اعلیٰ کمان کے اہم رُکن ہیں۔ ہندؤں اور مسلمانوں کی متحدہ قومیت کے زبردست حامی ہیں اور مسلمانوں کو کانگریس میں شرکت کی دعوت دینے سے نہیں تھکتے یہی نہیں بلکہ جن صوبوں میں زمامِ حکومت مسلمان اکثریت کے ہاتھ میں ہے، وہاں اسلامی وزارت توڑکر کانگریسی وزارت قایم کرنے میں پیش پیش ہیں ع

ببیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا

حالات کے بدلنے سے "سیاسی" مسلک میں تبدیلی چنداں تعجب انگیز نہیں ہو سکتی۔ لیکن کفر کا اسلام اور شرک کا توحید بنجانا وہ انقلابِ عظیم ہے۔ جس کی ذہنی اور قلبی کیفیات کا تحمل صرف حضرت مولانا کا سکوت ہی ہو سکتا ہے اور جب تک یہ سکوت قایم ہے ہم مجبور ہیں کہ اس انقلاب کو "عالم کی لغزش" سمجھیں جو اُمت کے حق میں تین خطرناک چیزوں میں سے ایک ہے اور جو دُنیا کو بگاڑنے میں ایک تہائی کی ذمہ دار ہے۔

کیا حضرت مولانا سے کوئی آج اتنا پوچھ سکتا ہے کہ سیاسی مسلک میں ہندؤں کی اتباع واقتدار جو کبھی "کفر و شرک" تھی اب قرآن کریم کی کس آیت کی رُو سے عین اسلام اور توحید ہو گئی؟ وہ قرآن فہمی کس کی نذر ہو گئی جو یہ بصیرت پیدا کرتی تھی کہ مسلمانوں کو دوسروں کی کسی جماعت میں شامل ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ دُنیا کو خود اپنی جماعت میں شامل کرنے کے لیے پیدا کئے گئے ہیں؟ وہ کون ہے جو کبھی سجہ بکف "من اتبعنی" کے زمرہ میں داخل تھا لیکن آج زنار بدوش ہندؤں کے حلقۂ درس میں شریک ہے، وہ کون ہے جسنے ید اللہ علی الجماعۃ سے مُنہ موڑکر اپنا ہاتھ خدا کے ہاتھ سے اُٹھالیا اور انسانی دستگیری کا محتاج ہو گیا؟ اس لرزشِ قلب کو آج کیا ہو گیا جو کسی انسانی دماغ کی اقتدا، یا انسانی گروہ کی اتباع میں غیرت رب العزت کی بجلیاں پوشیدہ دیکھ کر روح میں کپکپی پیدا کر دیتی تھی؟ اس غیرتِ ایمانی کو کس کی نظر کھا گئی جو اوروں کی چوکھٹ کے سائل بننے اور دوسروں کے دروازوں کی دریوزہ گری کرنے کو

مسلمان کے لیے سب سے بڑی شرم انگیز بات قرار دیتی تھی ؟ کانگریس کی شرکت جو کبھی سب سے بڑی ضلالت کی راہ تھی، آج کن مصالح کی بنا پر عین صراط مستقیم ہوگئی؟ اور مسلم لیگ نے جب اسی راستہ کیطرف رُخ کرلیا جو اُسوقت عین صراط مستقیم تھا تو وہ آج کس "امام مبین" کے فیصلہ کے ماتحت شر الدواب قرار پاگئی؟ کہا جاسکتا ہے کہ حالات کے بدلنے سے مسلک بدل سکتا ہے لیکن کیا حالات کے بدلجانے سے کبھی ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ کفر، اسلام بنجائے اور شرک توحید ہوجائے۔

عالم کی یہی وہ لغزش ہے جسکے متعلق حضور مخبر صادق نے فرمایا تھا کہ:-

اِن اشد ما اتخوف علےٰ اُمتی ثلاث - زلۃ عالم - وجدال منافق بالقرآن

ودنیا تقطع اعنا قکم ......

میں اپنی اُمت کے حق میں سب سے زیادہ جن چیزوں سے ڈرتا ہوں وہ تین ہیں، عالم کی لغزش، اور منافق کا قرآن سے استدلال، اور دُنیا جو تمہاری گردنیں کاٹینگے

شعبی کی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا دُنیا کو بگاڑنے والی تین چیزیں ہیں۔ عالم کی لغزش، منافق کا قرآن سے استدلال اور گمراہ کرنے والے سردار (لیڈر)

اس لیے کہ سالار کارواں کی لغزش سارے قافلے کا رُخ کعبہ سے پھیر کر "ترکستان" کیطرف کرسکتی ہے اس لغزش کے متعلق ہم تو اتنا ہی سمجھ سکے ہیں کہ:-

شیخ ملّت با حدیثِ دلنشیں ! بر مرادِ اُو کند تجدیدِ دیں !

واردھا کی تعلیمی اسکیم اور مسلمان

یہ پمفلٹ مسلمانوں کو تعلیمی اور مذہبی خطرات سے آگاہ کرنے والا ہے واردھا کی تعلیمی اسکیم پر جناب رازی کا تبصرہ اب کسی تعارف کا محتاج نہیں رہا۔ اس کا تیسرا ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ فروخت ہورہا ہے بہت تھوڑے نسخے رہ گئے ہیں۔ قیمت فی نسخہ ار محصول ر منیجر طلوع اسلام بلیماران دہلی

قرآن اور قرآنی دلائل !

(گزشتہ سے پیوستہ)

کیا وہ آسمان اور زمین کی مملکت میں اور جو چیزیں خدا نے پیدا کی ہیں انمیں غور وفکر نہیں کرتے

یعنی اگر کائنات کی پیدائش پر اور صانع کی صنعت وکاریگری پر انسان غور کرے تو اس سے ایک قادر مطلق خدا کا وجود خود بخود ثابت ہوجاتا ہے جب بغیر کسی فاعل اور صانع کے کوئی چیز خود بخود نہیں بن سکتی تو اتنی بڑی کائنات بغیر خدا کے کس طرح بنگئی۔

(۵) افی اللہ شک فاطر السموٰت والارض

کیا اُس خُدا کے وجود میں شک ہے جسنے زمین آسمان کو پیدا کر دیا

(۶) فلینظر الانسان مم خلق۔ خلق من ماء دافق ﴿

انسان یہ تو دیکھے کہ اس کی پیدائش کس چیز سے ہوئی ہے اُس کی پیدائش اُچھلتے ہوئے پانی سے ہوئی ہے۔

(۷) ام خلقوا من غیر شئ ام ھم الخالقون ہ

کیا وہ بغیر کسی پیدا کرنے والے کے پیدا ہوگئے یا وہ اپنے وجود کے آپ ہی خالق ہیں؟

سوم:۔کبھی وہ عالم کی ترتیب اور تناسب سے خدا کے وجود پر استدلال کرتا ہے۔

(۸) ماتریٰ فی خلق الرحمٰن من تفاوت

کیا تمہیں رحمٰن ورحیم خدا کی مخلوق میں کوئی تفاوت ابتری اور غیر موزونیت دکھائی دیتی ہے؟

(۹) صنع اللہ الذی اتقن کل شئ

یہ اللہ کی صنعت ہے کہ ہر چیز میں اتقان اور تناسب موجود ہے ﴿

(۱۰) والارض مددنھا والقینا فیھا رواسی وانبتنا فیھا من کل شئ موزون

اور ہم نے زمین کو کشادہ بنایا اور اس میں رکشش ثقل کی میخیں ٹھونک دیں اور اس میں ہے ہر چیز کو موزوں اور مناسب طریقہ پر نکالا

توحید پر قرآنی دلائل

صانع عالم کے وجود کے بعد قرآن حکیم نے خدا کی وحدانیت پر فلسفیانہ اصطلاحات اور مغلق مقدمات کے بغیر ایسے دلنشیں دلائل قایم کیے ہیں جو انسانی قلب کو یقین وطمانیت سے معمور کر دیتے ہیں اور ہر عامی سے عامی بھی جو دلائل ومقدمات کی ترتیب سے ناواقف ہے اس سے تسلی حاصل کر لیتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

(۱) لو کان فیھما الھۃ الا اللہ لفسدتا ۔

اگر زمین وآسمان میں کوئی دوسرا خدا ہوتا تو یہ نظام سارا کا سارا درہم برہم ہو جاتا

(۲) ما اتخذ اللہ من ولد وما کان معہ من الہ اذا لذھب کل الہ بما خلق ولعلا بعضھم علی بعض سبحان اللہ عما یصفون ۝

خدا نے نہ تو کسی کو اپنی اولاد بنایا ہے اور نہ کوئی دوسرا خدا اسکا شریک ہے اگر ایسا ہوتا تو ہر خدا اپنی مخلوق جدا پیدا کرتا (یعنی وہ مختلف الافعال ہوتے) اور اس کشمکش میں کسی ایک فعل کا بھی صدور نہ ہوتا) اور ایک خدا دوسرے خدا پر غلبہ پانے کی کوشش کرتا ہے شک اللہ ان تمام الزاموں سے پاک ہے۔

(۳) قل لو کان معہ آلھۃ کما یقولون اذا لابتغوا الی ذی العرش سبیلاً

اگر خدا کے ساتھ کوئی دوسرا خدا بھی شریک ہوتا جیسا کہ مشرکین کہتے ہیں تو وہ صاحب عرش (مالک مختار) خدا کیطرف راستہ نکالتا (یعنی بادشاہوں کیطرح ایک خدا دوسرے خدا کو مغلوب اور حکومت سے محروم کرنے کی کوشش کرتا)۔

یہی نہیں کہ قرآن حکیم نے توحید الہی پر دلائل قایم کیے بلکہ جو مشرک تعدد الہ کے قائل ہیں قرآن ان سے بھی اس باطل دعوے پر دلیل طلب کرتا ہے۔

ام اتخذوا من دونہ الھۃ قل ھاتوا برھانکم

کیا انھوں نے خدا کے سوا دوسروں کو بھی اسکا شریک ٹھیرالیا ہے؟ کہہ دو کہ اگر اسپر

دلیل رکھتے ہو تو پیش کرو!

پھر فرمایا:-

امن یبدؤا الخلق ثم یعیدہ ومن یرزقکم من السماء والارض
ءالہ مع اللہ قل ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین ٥

کون ہے جو پیدائش کا آغاز کرتا ہے پھر اس کو لوٹا دیتا ہے اور کون ہے جو تم کو زمین و آسمان سے رزق پہونچاتا ہے کیا اسکے بعد بھی تم کسی اور خدا کے متلاشی ہو؟ کہہ دو اگر یہ بات ہے اور تم سچے ہو تو دوسرے خدا کے وجود پر دلیل پیش کرو!

بعثت پر قرآنی دلائل

اسلام میں حیات بعد الموت کا مسئلہ خاص اہمیت رکھتا ہے یہ مسئلہ درحقیقت مذہب کا ستون عقائد و اعمال کی اساس اور ایمان باللہ کا لزومی نتیجہ ہے اگر اسکو ایک لمحہ کے لیے بھی دل سے نکال دو تو مذہب کی عمارت فوراً منہدم ہو جائے گی اور ایمان کے لیے پناہ کی کوئی جگہ باقی نہ رہے گی +

مگر یہ مسئلہ جہاں مذہب کی بنیاد ہے وہاں وہ اُن لوگوں کے لیے مشکل بھی ہے جو نبوت کی ضرورت محسوس نہیں کرتے اور ہر اس بات کا انکار کرنے کے عادی ہیں جو عقل سے مافوق اور تجربہ سے بالا ہو مگر دیکھو قرآن حکیم اس مشکل مرحلہ سے انسانوں کو کس آسانی سے گزارتا ہے اور حشر و نشر کو اس لطیف پیرایہ میں سمجھاتا ہے کہ منطقی و فلسفی اور دانش فروش دیکھتے کے دیکھتے رہ جاتے ہیں اور فطرت اور ضمیر کی آواز پر کان لگانے والے اطمینان اور یقین کی دولت حاصل کر لیتے ہیں۔

دیکھو قرآن کریم فلسفہ کی تمام راہوں سے بچ کر انسانی ضمیر اور وجدان سے کس طرح سرگوشیاں کرتا ہے:-

ایحسب الانسان ان یترک سدیٰ الم یک نطفۃ من منی یمنی
ثم کان علقۃ فخلق فسویٰ۔ فجعل منہ الزوجین الذکر والانثی الیس
ذالک بقادر علیٰ ان یحیی الموتیٰ

کیا انسان کا خیال یہ ہے کہ اُس کو بے لگام چھوڑ دیا جائیگا؟ اس کی حقیقت اسکے سوا کچھ اور بھی ہے کہ وہ بے جان قطرہ تھا۔ پھر وہ گوشت کا لوتھڑا بنا پھر اُس کی تخلیق اور تسویہ عمل میں آیا اور پھر اس قطرہ سے عورت اور مرد کا جوڑا بنا دیا۔ جب خدا نے یہ سب کچھ کر دیا تو کیا اُسکے لیے مُردوں کو زندہ کر دینا مشکل ہے؟ *

یعنی تم روزانہ مُردہ اشیاء کو زندہ ہوتے ہوئے دیکھتے ہو خود تم بھی قطرہ کی صُورت میں مُردہ اور بے جان تھے تم کو زندگی کے لیے کتنے مرحلوں سے گزرنا پڑا اور پھر کیسے جاگتے انسان بنگئے۔ اس مشاہدہ کے بعد پھر تم کس طرح کہتے ہو کہ مرنے کے بعد کوئی اور زندگی نہیں؟ کیا جس خدا نے پہلی بار تم کو زندگی بخشی اور بے جان سے جاندار بنایا وہ دوبارہ زندگی عطا کرنے سے قاصر ہو جائیگا *

پھر فرمایا:۔

وترى الارض هامدة فاذا انزلنا عليها الماء اهتزت وربت وانبتت من كل زوج بهيج ذالك بان الله هو الحق وانه يحى الموتى وانه على كل شيء قدير۔ وان الساعة اٰتية لا ريب فيها وان الله يبعث من في القبور

تم دیکھتے ہو کہ زمین کس قدر خشک (مُردہ) ہو جاتی ہے مگر جب ہم اُس پر پانی نازل کرتے ہیں تو وہ نرم ہو جاتی ہے اور اس سے ہر قسم کی نباتات پیدا ہونے لگتی ہیں یہ اسلیے کہ اللہ جو سرتاسر حق ہے مُردوں کو زندگی عطا فرماتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے (جب یہ تمہارا مشاہدہ ہے کہ مُردہ زمین زندہ ہو کر سرسبز و شاداب ہو جاتی ہے تو اب اسکا سمجھنا کچھ مشکل نہیں کہ) بلاشبہ قیامت آئے گی۔ اور اللہ قبروں سے مُردوں کو زندہ کر کے اُٹھائے گا!

یہ آیات نمونے کے طور پر نقل کیگئی ہیں ورنہ عقائد کے باب میں قرآن حکیم دلائل سے بھرا پڑا ہے اب دیکھو قرآن کریم کے دلائل کتنے آسان، عام فہم اور فطرت و ضمیر کے قریب ہیں اور عوام و خواص دونوں کو کس طرح ان سے تسلی ہوتی ہے، نہ تو قرآنی دلائل کے مقدمات مغلق اور مرکب ہیں

اور نہ قرآن کا استدلال غیر فطری ہے وہ جو کچھ کہتا ہے ضمیر و وجدان سے کہتا ہے اور اس طرح کہتا ہے کہ دل میں اُترتا چلا جاتا ہے۔ اسکے مقابلہ میں فلاسفہ متکلمین اور حکمار اسلام کے دلائل پر نظر کرو، اور فیصلہ کرو کہ ہدایت کا طریقہ کون سا ہے، اور اذعان وایقان کا نور کس سے حاصل ہوتا ہے۔ جب تک قرآن کی مشکلات کو قرآن ہی سے حل نہ کیا جائے گا۔ اور فلسفیانہ طرز استدلال سے آنکھیں بند نہ کیجائیں گی اسوقت تک قرآن کی عظمت آشکارا نہ ہوسکے گی، اور ہم اجنبیوں کی طرح قرآن تک پہونچنے میں ٹھوکریں ہی کھاتے رہینگے حکمار اور متکلمین کی موشگافیاں توان متعدد پردوں میں سے ایک پردہ ہیں جو قرآن کریم پر ڈالے گئے۔ اور ان مشکلات میں سے ایک مشکل ہیں جو کتاب الٰہی کے قریب جانے والوں کے راستہ میں حائل کی گئیں۔ انکے علاوہ اور بھی بہت سی جھاڑیاں ہیں جو ہر جویائے حقیقت کے راستے میں آتی ہیں اور جنسے دامن بچا کر نکل جانا صرف اسیکا کام ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنی کتاب کے سمجھنے کا وہ طریق بتادے جو خود اس کتاب نے بیان فرمایا ہے اور جسکے متعلق ہم شروع میں عرض کر چکے ہیں کہ انسان اپنے ہر سوال کو قرآن کے سامنے پیش کرے۔ اور اسی سے اسکا حل طلب کرے۔

متکلمین اور حکما کون ہیں؟

ہم نے بتایا ہے کہ عقائد کے اثبات میں جو طریق استدلال خود قرآن پاک نے اختیار کیا ہے وہ سراسر عقلی ہے مگر پیچیدہ اور غامض نہیں ہے۔ اس لیے قلوب پر اُس کا اثر ہوتا ہے۔ اور ضمیر، ایقان واذعان کی دولت سے مالا مال ہو جاتا ہے۔ بخلاف متکلمین اور حکمار اسلام کے کہ وہ ہمیشہ پیچیدہ اور ٹیڑھا راستہ اختیار کرتے ہیں) اور قرآن کے فطری استدلال کو چھوڑ کر محض ذہنی اور امکانی ... باتوں کے پیچھے لگ جاتے ہیں۔

ممکن ہے کہ کسی شخص کو یہ بدگمانی پیدا ہو کہ ہم نے نعوذ باللہ حکمار اسلام اور متکلمین عظام کی توہین کی ہے یا ہم اسلاف کی کوششوں اور علمی خدمتوں کو نظر حقارت دیکھتے ہیں، اس لیے ہم یہاں یہ حقیقت واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ اس شبہ میں وہی شخص مبتلا ہو سکتا ہے جو "متکلمین اسلام" اور حکمار اسلام کی

اصطلاحوں سے ناواقف ہو اور علم کلام کی بنیادی چیزوں پر اُس کی نظر نہ ہو۔ اس بدگمانی کے ازالہ کے لیے صرف اتنا کیے دیتے ہیں کہ حکماء اسلام اور متکلمین اسلام کی حقیقت بتا دیں کہ یہ کون لوگ ہیں اور خود انہوں نے علم کلام کی وادی میں قدم رکھ کر اور ناکامی کا منہ دیکھ کر کس طرح علم کلام سے بیزاری کا اظہار کیا ہے[1]۔

حکماء اسلام سے عموماً یعقوب کندی (معاصر مامون الرشید)، فارابی (متوفی ۳۳۹ھ)، بوعلی ابن سینا۔ ابن مسکویہ (متوفی ۴۲۱ھ) اور رسائل اخوان الصفا کے مصنف مراد لیے جاتے ہیں۔ اب ذرا انکا حال ملاحظہ ہو۔ امام غزالی نے بوعلی سینا کو اس بناپر کافر کہا کہ وہ جسمانی معاد کے منکر تھے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ "الملاحدۃ الباطنیۃ" کا ذکر کرتے ہوئے بوعلی سینا کی نسبت فرماتے ہیں۔

وکان ابن سینا واھل بیتہ من اھل دعوتھم[2] (ابن سینا اور اس کا خاندان باطنی فرقہ کا داعی تھا) رسائل اخوان الصفا کے مصنف تو مسلمہ طور پر باطنی فرقہ کے پیرو تھے۔ اسی وجہ سے انہوں نے اپنا نام تک ظاہر نہ کیا شیخ الاسلام نے اپنی تصنیفات میں بدلائل ثابت کیا ہے کہ رسائل کے مصنف باطنی تھے اور باطنی فرقہ مسلمانوں میں سے زیادہ گمراہ اور باطل فرقہ ہے[3] اخوان الصفا کے مصنفین کے بعض نام وزیر قفطی نے اپنی کتاب "اخبار الحکما" میں نقل کیے ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کون بزرگ تھے۔ علامہ سید سلیمان ندوی مدظلہ نے اپنی کتاب "عمر خیام" میں حکماء اسلام کے چہرہ کو بالکل بے نقاب کر دیا ہے، بہتر ہے کہ اس بحث کو عمر خیام میں بھی دیکھ لیا جائے[4]۔

اب رہے متکلمین اسلام سو اس گروہ میں علامہ اسفرائنی۔ ابوبکر باقلانی۔ ابن فورک۔ امام الحرمین امام غزالی، امام رازی، شہرستانی وغیرہ حضرات شامل ہیں اور جو اسلام کے اچھے وکیل گزرے ہیں مگر ہمیں عقائد کے بارے میں طریق استدلال سے اختلاف ہے، ان میں سے اکثر ارسطو اور افلاطون کے طریق

---

[1] دیکھو علامہ شبلی مرحوم کی کتاب علم الکلام ص ۱۴۳ ۱۲

[2] رسائل کبریٰ لابن تیمیہ ص ۱۳۸ ۱۲

[3] کتاب النبوات لابن تیمیہ ۱۲ [4] تاریخ الحکماء قفطی ذکر رسائل اخوان الصفا ۱۲

استدلال کے شیدا تھے جیکے باعث عقائد کے اثبات میں وہ قرآن سے دُور جا پڑے، علامہ شبلی مرحوم خدا کے وجود پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اُن تمام تقریروں سے تم کو معلوم ہوا ہوگا کہ افلاطون اور ارسطو اس مسئلہ کو حل نہ کرسکے اور متکلمین چونکہ انہی کے نقشِ قدم پہ چلے تھے، اسلئے وہ بھی ناکام رہے[1]"

شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے علم و فضل سے کس کو انکار ہو سکتا ہے؟ وہ کتاب النبوات میں متکلمین کو "اولئک المتکلمین المتبدعین" کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں اور ایک مقام پر تو صاف لکھتے ہیں کہ:-

ان کثیرًا مما یتکلم المتکلمون باطل ۔ متکلمین کی اکثر باتیں غلط اور باطل ہیں[2]۔

علاوہ ازیں اسلام میں اگرچہ امام غزالیؒ اور امام رازی کا پایہ بہت بلند ہے اور انکی خدمات علمی و تفسیری سے مسلمان قیامت تک بھی سبکدوش نہیں ہو سکتے تاہم خود انہیں سے پوچھو کہ انکے نزدیک علم کلام کا کیا درجہ ہے۔ امام غزالیؒ تمام منازل طے کرنے کے بعد علم کلام کی بحثوں سے توبہ کر لیتے ہیں اور نہ صرف توبہ بلکہ اس کی سخت مذمت بھی فرماتے ہیں[3]۔ امام رازی جو متکلمین میں بہت بلند درجہ رکھتے ہیں، انکا اپنی آخری عمر میں یہ اعتراف سننے کے قابل ہے۔

قد تاملت طرق الکلامیة ومناہج الفلسفیة فما رأیتہا تشفی علیلاً ولا تروی غلیلاً ورأیت اقرب الطرق طریقة القرآن۔

"میں نے علم کلام اور فلسفہ پر خوب غور کیا مگر میں نے دیکھا کہ ان سے نہ تو کسی مرض کا ازالہ ہوتا ہے اور نہ قلب کو اطمینان، میں نے تو یہ دیکھا کہ قرآن حکیم ہی کا طریقہ رعقل وضمیر سے اقرب تر ہے[4]"

---

[1] الکلام صفحہ ۳۲ ۱۲　[2] الرد علی المنطق لابن تیمیہ بحوالہ علم الکلام شبلیؒ صفحہ ۱۵۴ ۱۲

[3] اسکے لیے امام صاحب کی کتاب "التفرقہ بین الاسلام والزندقہ" اور "المنقذ من الضلال" کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیے۔ ۱۲

[4] الفرقان لابن تیمیہ مشمولہ رسائل کبریٰ صفحہ ۱۲

گویا جس علمی سمندر میں انہوں نے ساری عمر شناوری کی اس کا آخر نتیجہ خود ان ہی کے الفاظ میں یہ نکلا کہ اس سمندر سے کسی کی پیاس نہیں بجھ سکتی ۔

(نوٹ؛ دَورِ ثانی کے الہلال میں مولانا ابُوالکلام آزاد کے قلم سے "حجت ابراہیمی" کے زیرِ عنوان مضمون کا ایک سلسلہ شائع ہوا تھا جو کسی طالب قرآن کے شکوک کے جواب میں تھا۔ اس میں مولانا آزاد نے امام رازیؒ کے طریق استدلال پر جس طرح ماتم کیا ہے اور اس کو جن الفاظ میں غیر قرآنی اور قرآن سے دُور کر دینے والا بتایا ہے وہ الہلال دورِ ثانی کو سامنے رکھ کر معلوم کیا جا سکتا ہے ۔

امید ہے کہ جو لوگ علم کلام سے واقف نہیں ہیں اور حکمائے اسلام اور متکلمین اسلام کی اصطلاحوں سے مرعوب ہو کر یہ سمجھ لیتے ہیں کہ جو شخص انکے طریق استدلال پر تنقید کرتا ہے وہ (نعوذ باللہ) انکی تحقیر کرتا ہے۔ ان کو شبہات سے محفوظ رکھنے کے لئے یہ سطور کافی ہونگی ۔

ہم اسلاف" میں سے کسی کی تحقیر و تذلیل کے خیال تک کو جائز نہیں سمجھتے۔ لیکن ان میں سے کسی کے ذاتی خیال کو تنقید سے بالاتر قرار نہیں دیتے۔ کہ ایسا کرنا شخصیت پرستی ہے ۔جس کی قرآن کریم اجازت نہیں دیتا والعصمۃ للہ ۔

خط وکتابت

کرتے وقت اپنا پتہ صاف اور خوش خط لکھیے !

تفسیر اسرار خودی مبحث ششم

(از خان محمد یوسف خان سلیم چشتی)

(گزشتہ سے پیوستہ)

جواب اول

اگر جبر کے معنی اطاعت اور اختیار کے معنی حکومت کے لیئے جائیں تو اس سوال کا جواب یہ ہوگا کہ حکومت کے لیئے صلاحیت شرط لازمی ہے اور یہ صلاحیت، ایک زبردست ڈسپلن سے پیدا ہوتی ہے اور ڈسپلن، اطاعت ہی کا دوسرا نام ہے +

حکومت وہ قوم کرسکتی ہے جسنے قومی اور انفرادی سیرت (اخلاق) کی تکمیل کرلی ہو۔ اور کیرکٹر کی تکمیل اُسوقت تک ناممکن ہے جب تک ان اصُولوں کی پابندی نہ کی جائے، جو انسانی کریکٹر (سیرت) کو پختہ اور اُستوار کرتے ہیں اور اصُولوں کی پابندی کا دوسرا نام اطاعت،

انگریزوں کو دیکھیئے وہ ربع مسکوں پر حکمراں ہیں لیکن کیوں ؟ کیا اس لیئے وہ "ابناء اللہ ہیں ؟ ہرگز نہیں کیا اس لیئے کہ وہ سفید فام ہیں ؟ ہرگز نہیں۔ محض اِس لیئے کہ انھوں نے ایک (RIGID DISCIPLINE) شدید پابندیٔ نظام کو اپنا شعار حیات بنا رکھا ہے اور صدیوں سے وہ اسکے پابند چلے آرہے ہیں جس کی بنا پران کی قومی سیرت کی تکمیل ہوگئی ہے اور اطاعت کا رنگ اُنکے رگ و پے میں سرایت کرگیا ہے۔

اطاعت کی رُوح :۔ اطاعت کی رُوح قربانی ہے، اسی لیئے اسلام کی بنیاد بھی قربانی پر رکھی گئی ہے۔

حسین و سادہ و رنگین ہے داستان حرم
نہایت اسکی حسینؑ ابتدا ہے اسمٰعیلؑ

(نہایت یعنی انتہا)

قربانی کے کیا معنی" اور کس کی قربانی ؟ دُنبوں اور بکریوں کی قربانی جو مسلمان صدیوں سے کرتے چلے آئے ہیں ؟ نہیں بلکہ انفرادی خواہشات اور قلبی آرزوں کی قربانی، ذاتی اور شخصی راحت اور آرام کی قربانی، اور اولاد کی قربانی +

دُنبوں کی قربانی کسی قوم کے افراد کی تعداد میں اضافہ ہوسکتا ہے لیکن قومی سیرت

کی تکمیل نہیں ہو سکتی۔ اسکے لئے اپنی قربانی درکار ہے، اطاعت کے معنی ہیں، دوسروں کے احکام کو اپنی خواہشات پر مقدم کرنا مثلاً میرا دل یہ چاہتا ہے کہ عیش کروں لیکن قوم حکم دیتی ہے کہ نہیں ساری زندگی سمندروں کی گہرائی معلوم کرنے میں صرف کرو۔ تو مجھے اپنی خواہشات کو بالائے طاق رکھ دینا چاہیئے۔ اطاعت کے معنی ہیں، افراد کو قوم کی بہبود کے لئے قربان کر دینا مثلاً جب ۱۸۵۷ء میں انگریز لفٹنٹ ولوبی (WILLONG H B) نے جو دلی میگزین کا انچارج تھا، یہ دیکھا کہ میگزین عنقریب ہمارے دشمنوں کے قبضہ میں آنے والا ہے تو وہ اسکے ساتھ بارہ ۱۲ سپاہی سب کے سب، بارود کو آگ لگا کر بھک سے اُڑ گئے اور اُڑتے اُڑتے، حکومت ہند کا منشور اپنی قوم کے نام لکھ گئے۔

اطاعت سے کیا پیدا ہوتا ہے

اطاعت سے افراد میں، یکسانیت کا رنگ پیدا ہوتا ہے، کیونکہ ہر فرد، ایک ہی مقصد کے حصول کے لئے، ایک ہی ضابطہ کی پابندی کرتا ہے اور اس کا رنگ یکسانیت سے "یک نگاہی" پیدا ہوتی ہے یک نگاہی کیا چیز ہے؟ جملہ افراد کا ایک ہی مقصد کے درپے ہونا

مردہ؟ از یک نگاہی زندہ شو!
بگزر از بے مرکزی پایندہ شو!

اور جب کوئی قوم زندہ ہو جاتی ہے تو پھر حکمرانی کیا دشوار ہے؟

آج اگر مسلمانوں کو حکومت حاصل ہو جائے تو جانتے ہو کیا ہوگا؟ ایک عالم دوسرے عالم کے خون کا پیاسا، ایک مذہبی جماعت دوسری جماعت سے برسر پیکار، اور ایک گروہ دوسرے گروہ کا کو فنا کرنے پر آمادہ نظر آئے گا، یہی تو وجہ ہے کہ اس قوم سے حکومت چھین لی گئی۔

الغرض اختیار، تکمیل اخلاق حسنہ پر موقوف ہے اور اخلاق کی تکمیل، دستور العمل کی پابندی پر منحصر ہے اور اسی پابندی کا دوسرا نام اطاعت ہے

جواب ثانی

اگر جبر و اختیار کو مصطلحاتِ فلسفہ قرار دیا جائے تو پھر اُسکے یہ معنیٰ ہونگے کہ فرض کر لیجئے انسان مجبور ہے، جیسا کہ وہ بعض اُمور میں نظر آتا ہے، تو اب قدرتی طور سے ہر مجبور، مختاری کا طالب ہے، پس حصُولِ اختیار کی صُورت یہ ہے کہ حالتِ صبر پر سرِ تسلیم خم کر دو۔

انسان کی عادت یہ ہے کہ وہ سرِ تسلیم خم کرنا نہیں چاہتا۔ ہر لحظہ طغیان اور سرکشی پر آمادہ رہتا ہے نتیجہ اس کا یہ نکلتا ہے کہ آخر دم تک اس میں شانِ اختیار پیدا نہیں ہوتی۔

لیکن اگر انسان ایک مرتبہ اس عقیدہ پر جم جائے کہ میں ہمیشہ اللہ تعالےٰ کی مشیت کے سامنے سرِ تسلیم خم کرونگا کیونکہ اسکے علاوہ کسی میں نفع یا نقصان پہونچانے کی طاقت نہیں ہے، تو اس استقامت کی بدولت اس میں ایک بات یہ پیدا ہو جائے گی :۔

پیشِ فرعونے سرش افگندہ نیست

یعنی یہ صفت اسکو بے خوف اور نڈر بنادے گی جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ کسی دنیاوی طاقت سے مرعوب نہ ہوسکیگا اسکے اندر (WILL TO CONQUER) تسخیر کائنات کا ایک جذبۂ بے پناہ پیدا ہو جائے گا، اور یہ جذبہ اسکے جبر کو اختیار میں تبدیل کردیگا۔ یعنی اگرچہ خدا نے انسان کو مجبور بنایا ہے لیکن جب وہ انسان مسلکِ جبر پر عامل ہو کر اپنے اندر شانِ اختیار پیدا کرےگا تو خدا بھی اُسے مختار بنا دیگا، اور اگرچہ بظاہر وہ مجبور ہی نظر آئے گا لیکن بباطن اس کی تلوار اقوامِ عالم کی قسمتوں کا فیصلہ کیا کرے گی +

جبرِ خالد عالمے برہم زند +
جبرِ ما بیخ و بنِ ما برکند +

حضرت خالدؓ بھی ہماری طرح مجبور پیدا ہوئے تھے لیکن انھوں نے غیر اللہ کا خوف دل سے نکالدیا، اور سوائے خدا کے ساری کائنات کو ہیچ یقین کیا اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ غزوہ موتہ

میں تو تلواریں اُن کے ہاتھ سے ٹوٹ ٹوٹ کر گریں ۔ اور ان ٹکروں نے قیصر و کسریٰ کی سلطنتوں کے ٹکڑے کر دیئے ۔

ہم بھی خالد رضؓ کی طرح مجبور پیدا ہوئے ہیں ۔ لیکن ہم نے اللہ تعالیٰ کے بجائے "قوتِ فرمانرواؤں" کو اپنا معبود قرار دیا اور غیر اللہ کے خوف سے اپنی خودی کو مُردہ کر دیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہماری پیشانیوں پر غلامی کا داغ لگا ہوا ہے ۔ اور تلوار کے ٹکروں کی جگہ ہماری جھولیوں میں بھیک کے ٹکڑے پڑے ہوئے ہیں ۔

الغرض حضرت خالد بھی مجبور تھے ، اور ہم بھی مجبور ہیں یعنی جہاں تک عقیدۂ جبر و اختیار کا سوال ہے ۔ ہمارے عُلمائے اہلسنت یہی کہیں گے کہ دونوں مجبور ہیں لیکن پھر کیا وجہ ہے کہ خالد رضؓ نے مجبوری کے باوجود سلطنتوں کے تختے اُلٹ کر رکھ دیئے اور ہم اپنی غلامی کی زنجیروں کو بھی نہیں توڑ سکتے ؟

اسکی وجہ یہی ہے کہ خالد رضؓ کا طریق حیات کچھ اور تھا ۔ ہمارا طریق حیات کچھ اور ہے خالد رضؓ کا مسلک تھا اطاعت ، ہمارا مسلک ہے بغاوت ، جب طریق حیات مختلف ہے تو نتائجِ حیات بھی لازمی طور سے مختلف ہونگے ۔

خالد رضؓ دستورِ الٰہی کی اطاعت کرتے تھے ہم دستورِ الٰہی کی خلاف ورزی کرتے ہیں پھر غلط کیا ہے جو اکبر لکھتے ہیں ؎

ہم میں باقی نہیں اب خالدِ جانباز کا رنگ
دلپہ غالب ہے فقط حافظِ شیراز کا رنگ

مشاہدۂ فطرت

کارگاہ فطرت پر نظر ڈالو ہر جگہ قانون کی پابندی یعنی اطاعت کا رنگ نظر آئے گا ۔ ع

ذرّہ ذرہ دہر کا زندانیٔ تقدیر ہے

کارگاہِ فطرت میں جو چیز اطاعت نہیں کرتی وہ زندہ نہیں رہ سکتی (باقی آئندہ)

علامہ اقبالؒ کے مسلک سے اختلاف؟

(از جناب خواجہ عبدالحفیظ صاحب بی اے)

عیبِ من کم جوئے واز جامم عیارِ خویش گیر
لذّتِ تلخابِ من بے جانِ غمِ فرسودہ (اقبال)

علامہ اقبالؒ کی وفاتِ حسرت آیات کے فوراً بعد آپ کے کلامِ بلاغت التزام پر ملک کے ہر گوشہ سے تنقید و تبصرہ کا لامتناہی سلسلہ جاری ہوگیا۔ اگرچہ اس سلسلہ میں اکثریت اُن اصحاب کی ہے جنہیں علامہ کی بیش بہا خدمات پر خراجِ تحسین ادا کرنا مقصود ہے لیکن بعض ایسے بھی ہیں جو آپکے کلام میں بے بصری کی بنا پر کمزوریاں پاتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ علامہؒ کا کلام اپنے ابتدائی مراحل میں بہ نسبت اپنے آخری حصہ کے زیادہ بلند اور وسیع تھا۔ اسکے ثبوت میں بانگ درا سے چند نظمیں مثلاً ہمالہ، ترانہ ہندی، نیا شوالہ، ہندوستانی بچوں کا قومی گیت، وغیرہ پیش کی جاتی ہیں۔ اور کہا جاتا ہے کہ جب علامہؒ نے دیکھا کہ اس ملک کے بسنے والے آپکے ان وطنی "ترانوں" سے یکجا نہیں ہوتے، اور آپ کا "نیا شوالہ" تعمیر ہونے میں نہیں آتا تو آپ نے ناامید ہوکر مذہب کی جانب رجوع کیا تاکہ اپنی قوم کی اصلاح کی جائے۔ چنانچہ آپ نے "ترانہ ہندی" کے بعد "ترانہ ملی" لکھا اور ازاں بعد آپ کی تمام تر کوشش اپنی قوم کی اصلاح و بہبود میں صرف ہوئی اس قسم کا ایک اعتراض یہ ہے :-

"ہرچند مجھے اس (اقبالؒ) کے مسلک خیالات سے شدید اختلاف تھا لیکن اس اختلاف کے باوجود مجھے اسکے شاعرانہ کمال اور اس کی مفکرانہ عظمت سے کب انکار ہے........

ابتدا میں ہر عظیم شاعر کی طرح اقبال کی شاعری بھی وسیع اور آفاقی شاعری تھی اس کی نظر دور رس اور اس کا سینہ چوڑا تھا مگر اسکے بعد بعض وجوہ کی بنا پر اس کی شاعری کا دائرہ تنگ

ہونے لگا۔ اور آخر کار یہاں تک تنگ ہو گیا کہ اُس کی تمام تر شاعری مذہب تک محدود ہو کر رہ گئی۔"

سمجھ میں نہیں آتا کہ علامہؒ کے سینہ نے (جس کی وسعت کی کوئی انتہا نہ تھی) یہ ترقی معکوس کب اور کیونکر کی۔ اگر علامہؒ کے سینہ کی کشادگی آپ کی وطنی شاعری ہی پر منحصر ہے تو ہمارا دعوے ہے کہ ہر عظیم شاعر کی طرح علامہؒ کے جذبات اور تخیل کی پرواز آپ کے کلام کے آخری حصے میں پہلے سے کہیں بالاتر ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ معترض نے یا تو علامہ کا کلام پڑھا نہیں یا اس پر صرف ایک سرسری نگاہ ڈال کر ایسی بے سروپا تنقید کی ہے ورنہ اگر علامہؒ نے "بانگ درا" میں جو کہ آپکے کلام کا اولیں مجموعہ ہے "وطن" کے متعلق علاوہ مذکورہ بالا نظموں کے یہ بھی لکھ دیا ہے

۱۔ رُلاتا ہے ترا نظارہ اے ہندوستاں مجھ کو	کہ عبرت خیز ہے تیرا فسانہ سب فسانوں میں!
وطن کی فکر کر ناداں! مصیبت آنے والی ہے	تری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں
نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے ہندوستاں والو	تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں
(۲) تجھے کیا دیدۂ گریاں وطن کی نوحہ خوانی میں	عبادت چشمِ شاعر کی ہے ہر دم باوضو رہنا

(۳) جو گھر سے اقبال دُور ہوں میں تو ہوں نہ محزوں عزیز میرے
مثالِ گوہر وطن کی فرقت کمال ہے میری آبرو کا،

تو دیکھئے آپنے اپنے تازہ کلام میں وطن کے متعلق کس قدر کشادگی، وسعت اور فراخدلی سے کام لیا ہے۔

خاور کی امیدوں کا یہی خاک ہے مرکز
اقبال کے اشکوں سے یہی خاک ہے سیراب
(ضرب کلیم)

علامہ اقبالؒ اپنی تازہ ترین تصنیف "پس چہ باید کرد اے اقوام شرق" میں بعنوان "اشکے چند بر افتراق ہندیاں" بدیں الفاظ خون کے آنسو بہاتے ہیں:۔

ہندیاں باہکدگر آویختند	فتنہ ہائے کہنہ باز انگیختند
تا فرنگی قومے از مغرب زمیں	ثالث آمد در نزاع کفر و دیں

کس نداند جلوۂ آب از سراب　　　انقلاب! اے انقلاب! اے انقلاب!!!

اے ترا ہر لحظہ فکرِ آب و گِل　　　از حضورِ حق طلب یک زندہ دل

اے جواں داماں او محکم بگیر　　　در غلامی زادہ، آزاد میر

پس نہ تو یہ درست ہے کہ اقبالؒ کی تمام تر شاعری مذہب کے تنگ دائرہ میں محدود ہو کر رہ گئی اور نہ یہ سچ ہے کہ اقبالؒ کی آخری شاعری میں وہ وسعت نہ رہی جو آپ کی ابتدائی (وطنی) شاعری میں تھی جہاں تک حب الوطنی کا تعلق ہے مندرجہ بالا اقتباسات سے یہ امر واضح ہے کہ وطن کے متعلق جو نظریہ حضرت علامہؒ نے برسوں ہوئے "بانگ درا" میں پیش کیا تھا وہ آپکے آخری مجموعہ کلام میں کس قدر بلند، وسیع اور دلکشا ہے:۔

حقیقت یہ ہے کہ اقبالؒ صرف مسلمانوں ہی کا خیر خواہ نہیں بلکہ اُسکے دل میں تمام شرق کا درد تھا حب الوطنی کے جذبہ نے علامہؒ کی شاعری کو ہندوستان تک ہی محدود نہیں رکھا بلکہ آپ کے تخیل کی وسعت تمام براعظم ایشیا پر چھاگئی۔ "ضرب کلیم" کے صفحۂ اول پر ہے۔

زمانہ با اُمم ایشیا چہ کرد و کُند
کسے نہ بود کہ ایں داستاں فرو خواند

اسی کتاب کے صفحہ ۱۵۹ پر پہلا شعر ہے۔

عطا ہوا خس و خاشاکِ ایشیا مجھ کو
کہ میرے شعلے میں ہے سرکشی و بیباکی

گویا اقبالؒ پنجابی اور ہندوستانی کی حدود سے نکل کر تمام اقوام مشرق سے (جن میں چینی، جاپانی، ایرانی و افغانی بھی شامل ہیں) یوں مخاطب ہوتے ہیں۔

پس چہ باید کرد اے اقوام شرق!　　　باز روشن می شود ایام شرق

اے زکارِ عصر حاضر بے خبر　　　چرب دستیہائے یورپ در نگر

قالی از ابریشم تو ساختند　　　باز او را پیش تو انداختند

چشم تو از ظاہرش افسوں خورد — رنگ و آب او ترا از جا برد
وائے آں دریا کہ موجش کم تپید — گوہر خود را ز غواصاں خرید

"جاوید نامہ" میں ایک اور نکتہ پیش کرتے ہیں جس کی وسعت کے سامنے مشرق و مغرب کی حدیں "قاب قوسین" کے مصداق نظر آتی ہیں ارشاد ہوتا ہے۔

آں کف خاکے کہ نامیدی وطن — ایں کہ گوئی مصر و ایران و یمن
با وطن اہل خرد را نسبتے است — زانکہ از خاکش طلوع ملتے است
اندریں نسبت اگر داری نظر — نکتۂ بینی ز مو باریک تر
گرچہ از مشرق برآید آفتاب — با تجلی ہائے شوخ و بے حجاب
در تب و تاب است از سوز درون — تاز قید شرق و غرب آید بروں
بر دمد از مشرق خود جلوہ مست — تا ہمہ آفاق را آرد بدست
فطرتش از مشرق و مغرب بری است — گرچہ او از روئے نسبت خاوری است

یہ چند اقتباسات شاہد ہیں کہ علامہؒ کے دل میں "وطن" کی محبت کسی سے کم نہیں وہاں یہ بھی ظاہر ہے کہ انکے نزدیک مرد حُر کا کوئی وطن نہیں، یہ تمام کرۂ ارضی مردان مجاہد کی "میراث" ہے لیکن اس بلند پایہ اور وسیع جذبہ کو صرف وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جن کا قول ہے کہ :۔

ہر ملک ملک ماست کہ ملک خدائے ماست

ہندوستان کے غلام اس جذبہ کو کیا سمجھیں گے جن کی "حُب الوطنی" صرف ہندوستان تک محدود ہے

اقبال اور مذہب

یہ اعتراض کہ اقبالؒ کی شاعری مذہب تک محدود ہو کر رہ گئی کیسا عظیم الشان دھوکہ ہے حالانکہ اقبالؒ کی شاعری کی تمام وسعت محض مذہب ہی کی بدولت ہے ۔اقبالؒ مذہب کا دلدادہ تھا۔

مرا سبو چہ غنیمت ہے اس زمانہ میں — کہ خانقاہ میں خالی ہیں صوفیوں کے کدو
مرے سبو کو غنیمت سمجھ کہ بادۂ ناب — نہ مدرسے میں ہے باقی نہ خانقاہ میں ہے

ہندوستان کے مسلمانوں کے بڑھتے ہوئے مرض کے متعلق ارشاد ہے۔

مسلم ایں کشور از خود نا امید ۔ عمرہا شد با خدا مردے ندید ۔
لاجرم از قوتِ دیں بدظن[1] است ۔ کاروانِ خویش را خود رہزن است
از سہ قرن ایں اُمتِ خوار و زبوں ۔ زندہ بے سوز و سرور اندروں
پست فکر و دُوں نہاد و کور ذوق ۔ مکتب و ملائے او محرومِ شوق ۔
ز تشتتِ اندیشہ او را خوار کرد ۔ افتراق او را ز خود بیزار کرد ۔
تا ندانداز مقام و منزلش ۔ مُرد ذوقِ انقلاب اندر دلش
طبع او بے صحبتِ مردِ فقیر ۔ خستہ و افسردہ و حق ناپذیر ۔
بندۂ زر کردۂ مولاست او ۔ مفلس و قلاش و بے پرواست او
نے بکف مالے کہ سلطانے بَرد ۔ نے بدل نورے کہ شیطانے بَرد

شیخِ او[2] در دینِ فرنگی را مرید
گرچہ گوید از مقامِ بایزید ۔

اسلام پر ایسے انحطاط کے دَور کئی آئے اور گزر گئے۔ عہدِ عباسیہ کے آخری ایام میں مسلمانوں کی حالت ہندوستان کی موجودہ حالت سے کم نہ تھی لیکن یہ حقیقت وضاحت طلب نہیں کہ آج کل ہم ایسے مرض میں مبتلا ہیں جو عہدِ عباسیہ یا اسلام کے کسی اور دَورِ انحطاط میں نہ پیدا تھا اور وہ غلامی ہے بقول علامہؒ

آدم از بے بصری بندگیٔ آدم کرد ۔ گوہرے داشت ولے نذرِ قباد و جم کرد
یعنی از خوئے غلامی ز سگاں خوار تر است ۔ من ندیدم کہ سگے پیشِ سگے سر خم کرد

غلامی مذہبی روح کے گم ہونے ہی سے پیدا ہوتی ہے، علامہؒ کے نزدیک مذہب کے بغیر مسلمان مسلمان نہیں رہ سکتا

تا کجا بے غیرتِ دیں زیستن !
اے مسلماں مردن است ایں زیستن

---

۱ اس لیے کہ دین اُسے محض ایک ذہنی لباس نظر آتا ہے ۔ ۲ انگریزی لفظ لارڈ کا مفرس ہے

مسلمانوں اور دیگر مذاہب کے غیر متعصب اصحاب کے نزدیک یہ مسلّم ہے کہ اسلام دین فطرت ہے۔ اور اسی وجہ سے عالمگیر مذہب ہے۔ اسلام دُنیا بھر کے مذاہب میں ایک خصوصیت کا مالک ہے، اور وہ یہ کہ اسلام "خدا کے ساتھ انسان کے انفرادی طور پر ذاتی عقیدہ کا نام نہیں ہے، بلکہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیاتِ اجتماعی کا نام ہے :۔

ہست دین مصطفےٰ دین حیات
شرعِ او تفسیر آئین حیات!

اور مسلمان کا کوئی فعل مذہب کی رُوح سے خالی نہیں ہو سکتا۔

۱۔ اپنی ملّت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر — خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ھاشمی!
ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار — قوّتِ مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تیری،
دامنِ دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں — اور جمعیت ہوئی رخصت تو ملّت بھی گئی،
۲۔ قوم مذہب سے ہے مذہب جو نہیں تم بھی نہیں — جذبِ باہم جو نہیں محفلِ انجم بھی نہیں
۳۔ ملّتِ ما را اساسِ دیگر است — ایں اساس اندر دلِ ما مضمر است،

"دیگر است" یعنے اور اقوام کی طرح خاک و خون پر منحصر نہیں بلکہ ایمان پر ہے جو دل میں مضمر ہے!

۴۔ از رسالت ہم نوا گشتیم ما — ہم نفس، ہم مدعا گشتیم ما
کثرتِ ہم مُدعا وحدت شود — پختہ چوں وحدت شود ملت شود

علامہؒ کا مذہب قدامت پسند ملّاؤں کی طرح نہیں ہے جو طہارت کے مسائل ہی میں ختم ہو جاتا ہے اقبالؒ کا مذہب اپنی پریشاں خاطر اور مُردہ قوم میں اسلام کے صحیح جذبات یعنی اخوت اتحاد اور خودداری کا پیدا کرنا ہے ترکانِ احرار کو جو شومئ قسمت سے دورِ زماں کی لپیٹ میں آ گئے تھے علامہؒ انکے اصلی مقام سے یوں آگاہ کرتے ہیں :۔

سمجھ رہے ہیں وہ یورپ کو ہم جوار اپنا
ستارے جنکے نشیمن سے ہیں زیادہ قریب

ترکان کمال بھی ہمارے معترض کی طرح اس غلطی کا شکار ہوئے ہیں کہ دین اور سیاست میں کوئی رابطہ نہیں، چنانچہ دیکھئے اسپر علامہؒ فرماتے ہیں:۔

خرد را با دلِ خود ہمسفر کن * دمے بر ملّتِ ترکاں نظر کن *
بتقلیدِ فرنگ از خود رمیدند میانِ مُلک و دیں ربطے ندیدند

علامہ اقبالؒ کے مندرجۂ ذیل اشعار میں دُنیائے اسلام کی ارتقا اور وسعتیں ملاحظہ ہوں۔

1۔ یہ کائنات ابھی ناتمام ہے شاید * کہ آرہی ہے دمادم صدائے کُن فیکونُ
2۔ رہِ یک گام ہے ہمت کے لیے عرشِ بریں کہہ رہی ہے یہ مسلمان سے معراج کی رات
3۔ پرے ہے چرخِ نیلی فام سے منزل مسلماں کی ستارے جسکی گردِ راہ ہوں وہ کارواں تو ہے
4۔ عجب کیا گر مہ و پرویں ترے نخچیر ہو جائیں "کہ بر فتراکِ صاحب دولتے بستم سر خود را"
5۔ مہ و ستارہ سے آگے مقام ہے اسکا وہ مشتِ خاک ابھی آوارگانِ راہ میں ہے
6۔ غلامِ ہمتِ بیدارِ آں سوارانم * ستارہ را بسنانِ سُفتہ در گرہ بستند *
7۔ فرشتہ را دگر آں فرصتِ سجود کجاست کہ نوریاں بتماشائے خاکیاں مستند
8۔ درمعرکہ بے سوزِ تو ذوقے نتواں یافت اے بندۂ مومن تو کجائی؟ تو کجائی؟
9 اگر عنانِ تو جبرئیل و حور می گیرند کرشمہ بر دلِ شاں ریز و محرمانہ گزر
10۔ یہ نیلگوں فضا جسے کہتے ہیں آسماں! (ق) ہمت ہو پرکشا تو حقیقت میں کچھ نہیں
بالائے سر رہا تو ہے نام اس کا آسماں زیرِ پر آگیا تو یہی آسماں زمیں

یہ اشعار علامہؒ کے تخیل کی محض پرواز نہیں، بلکہ تاریخی شواہد ہیں۔ اقبالؒ کے مذہب کی وسعتوں کے سامنے بحر و بر تو کجا دو جہاں کی وسعتیں تنگ نظر آتی ہیں۔

چہ عجب اگر دو سلطاں بولائتے نگنجند *
عجب اینکہ می نہ نگنجد بدو عالمے فقیرے

اقبال اور قومیت:۔ وطنیت اور مذہب کی طرح قومیت کے متعلق بھی علامہؒ کی رائے عالمگیر تھی۔ اس

غلام آباد میں جہاں کے باشندے مختلف ادیان، مختلف زبانوں اور مختلف فرقوں کے پیرو کار ہیں ان کے لیے قومیت سے متعلق ایسے بلند اور ہمہ گیر نظریہ کی ضرورت تھی جو سب پر حاوی ہو جائے علامہؒ نے جو خطبۂ صدارت آل انڈیا مسلم لیگ الہ آباد کے سیشن میں دسمبر ۱۹۳۰ء میں دیا، اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مشرق خصوصاً ہندوستان کی نجات کے لیے کس قسم کی قومیت درکار ہے آپ کے خطبہ کا خلاصہ یہ ہے۔

۱۔ اسلام دیگر مذاہب کی طرح ایک ذاتی عقیدہ کا نام نہیں ہے، بلکہ وہ ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے جو نسلِ انسانی کے سیاسی، معاشرتی و تمدنی تمام پہلوؤں پر حاوی ہے اور جس کا نظام الہامی آئین سے وابستہ ہے۔

۲۔ اسلام کے علاوہ دوسرے مذاہب ملک و نسب پر مبنی ہیں اور روحانی اور دُنیوی زندگی کو الگ الگ سمجھتے ہیں اس تخیل کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کی سیاست مذہبی روح سے بالکل خالی ہے اور دُنیا کے ممالک مثلاً یورپ زمین کے غیر مرتب اور بے شمار ٹکڑوں میں منقسم ہو گئے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کا مقصد محض محدود قومی اور وطنی مفاد ہے نہ کہ نسلِ انسانی کی بہتری۔ یہ جماعتی خودغرضی ہے، انفرادی خودغرضی کو سب خودغرضی کہتے ہیں مگر جماعتی خودغرضی کو اسلام کے سوا کوئی خودغرضی نہیں سمجھتا۔ اتحادِ نسلِ انسانی اسلام اور صرف اسلام کا مقصد ہے۔

۳۔ رینان کا قول ہے کہ انسان نہ تو اپنی قوم کا حلقہ بگوش ہے اور نہ اپنے مذہب کا اور نہ ہی دریاؤں کے رُخ اور سلسلہ ہائے کوہ کا غلام ہے، قوم ایک سلیم العقل اور زندہ دل گروہِ عظیم کے اخلاقی رُو سے متحد ہونے کا نام ہے علامہؒ کے نزدیک قومیت کی اس قسم کی تعریف ہندوستان پر اسی وقت صادق آ سکتی تھی جب اس میں کبیر کی تعلیم یا اکبرِ اعظم کا دینِ الٰہی برسرِ اقتدار ہوتا، مگر یہ ملک مختلف ذاتوں، مذہبوں اور زبانوں کا گہوارہ ہے اور ان مختلف فرقوں میں سے کوئی ایک بھی کسی بڑے اور مکمل فرقے میں مجموعی طور پر جذب ہونے کے لئے کسی حالت میں بھی تیار نہیں اور اپنا وجود ہر حالت میں علیحدہ قائم رکھنا چاہتا ہے جب صورتِ حال یہ ہو تو ہندوستان میں ایک عالمگیر قوم کا قیام صرف اُسی صورت میں ممکن ہے جب ہر چھوٹی اور بڑی جماعت کو یہ حق حاصل ہو کہ وہ اپنے مذہب اور تمدن پر کاربند رہ کر باقی اقوام کے ساتھ مجموعی حیثیت سے تعاون کرے۔

۴۔ اقبالؒ کا قول ہے کہ "اگر ایک فرقہ دوسرے فرقہ یا فرقوں کا بدخواہ ہو تو وہ یقیناً کم ظرف اور قابلِ نفرت ہے۔ میں دوسری اقوام کی رسومات، اُنکے آئین و قوانین اور مذہبی و معاشرتی درسگاہوں کا دل سے احترام کرتا ہوں اور یہی قرآنی تعلیم ہے، چنانچہ اگر ضرورت پڑے تو اغیار کے معابد کی حفاظت کرنا بھی میرا فرض ہے۔ لیکن باوجود اس بات کے میں اس فرقہ پسند گروہ کو دل سے چاہتا ہوں جو میری زندگی اور وضع کا مبدا ہے اور جس نے مجھے اپنا مذہب، علم، خیال، تمدن دیکر اپنے تمام ماضی سے میری موجودہ حالت کو از سرِ نو تازہ کر کے مجھے وُہ کچھ بنایا جو کچھ کہ میں ہوں"۔

یہ وہ بنیادی تخیل ہے جسنے علامہؒ کی شاعری کو "مذہب" میں محدود کر دیا۔ اور جس پر معترض چیں بجبیں ہے

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم ٭ چشمۂ آفتاب را چہ گناہ ٭

اقبالؒ کے اسی نظریہ کو "ڈیلی ہیرولڈ" نے اپنی اشاعت مؤرخہ ۲۵ راپریل ۱۹۳۸ء میں بدیں الفاظ سراہا ہے:-

"...... آپکی یاد میں ہر دوست و دشمن نے خراجِ تحسین ادا کیا۔ سر محمد اقبالؒ کی شہرت صرف شاعری کے خداداد عطیہ ہی کیوجہ سے نہ تھی بلکہ آپکی سیاستدانی کا بھی اس میں زبردست حصہ ہے لیکن آپ کی خدمات بحیثیت ایک فلاسفر کے آئندہ نسلوں کے لیے یادگار ہیں۔ سر محمد اقبالؒ اپنی زندگی خصوصاً اپنی آخری ایام میں غلطی سے فرقہ پسند سمجھ لیے گئے مگر حقیقت یہ ہے کہ آپکی فرقہ پسندی بھی "بین الاقوامیت" پر مبنی تھی۔ نسلِ انسانی کی خدمت اور اتحاد آپکا ایمان تھا، اسلام کے ذریعے سے خالقِ حقیقی اور مخلوقِ خدا دونوں کی خدمت بھی آپ کے ایمان میں شامل تھی، پان اسلام ازم آپکے نزدیک سیاسی عقیدہ نہ تھا۔ بلکہ بنی نوعِ انسان میں روحانی طریق سے اتحاد پیدا کرنا تھا سر اقبالؒ کے نزدیک مذہب اور سیاست میں کوئی فرق نہ تھا۔[۱]

"جُدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی"

آپ کا مذہب تمام چیزوں پر محیط تھا۔ بحیثیت ایک صوفی کے آپکا ایمان تھا کہ تمام مذاہب حق پر ہیں۔ لیکن اسلام آپ کے نزدیک تمام مذاہب کے بہترین اصولوں کا مجموعہ ہے۔ زندگی کے آغاز میں آپ صرف ایک سیاست داں اور محبِ وطن تھے۔ لیکن محض حبِّ وطن آپکے جذبہ

---

[۱] علامہ کا مصرعہ ہے ۱۲

"خدمت" اور قربانی کے لیے کافی نہ تھی یہ چیز ہے جو آپ کے شدید مذہبی جذبہ اور ایمان اسلام کے عقیدہ کی شرح کرتی ہے۔[1]"

قومیت کا یہ بلند ترین معیار اقبالؒ نے مذہب سے سیکھا جیسا کہ مذکورۃ الصدر خطبۂ صدارت کے شروع میں وہ خود فرماتے ہیں "میں نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ اسلام کے مطالعہ میں صرف کیا ہے اور اس کے قوانین نظامِ حکومت، تہذیب و تمدن، تاریخ و ادبیات سے پوری واقفیت بہم پہونچائی ہے۔"

اقبالؒ غلامی کے سخت دشمن تھے، یہ مسلّم ہے کہ اس شیدائی مذہب نے آزادی (ضد غلامی) کا سبق دیگر امور کی طرح مذہب (اسلام) ہی سے سیکھا جسے وہ انسانیت کبریٰ کے نام سے نامزد کرتے ہیں اگر یہ مان لیا جائے کہ اقبالؒ کی شاعری مذہب تک محدود ہے تو یہ بھی ماننا پڑیگا کہ آپکی محدود "تعلیم" (تعلیم خودی و آزادی) بھی مسلمان کے لیے ہے دوسری اقوام کے لیے نہیں ہے۔ لیکن یہ بالکل غلط ہے، کیونکہ آپ ایشیا بھر کی غلام اقوام کی آزادی کے خواہشمند ہیں۔ ع پس چہ باید کرد اے اقوام شرق

مقام حیرت ہے کہ باوجود اُن تصریحات کے جن کا اظہار علامہؒ نے اپنے کلام میں جا بجا کیا ہے معترض کو علامہؒ کے مسلک سے "شدید اختلاف" ہے شاید علامہؒ نے ایسے ہی معترضین کی شان میں کہا تھا کہ:۔

ان غلاموں کا یہ مسلک ہے کہ ناقص ہے کتاب — کہ سکھاتی نہیں مومن کو غلامی کے طریق

اقبالؒ کی بے تعصبی

اقبالؒ مذہب کے شیدائی تھے لیکن آپکا مذہب نہ تو "تنگ" اور "محدود" تھا اور نہ اس میں تعصب کے لیے گنجائش تھی اُنکے مذہب کی "تنگی" کی وضاحت اوپر کیجا چکی ہے۔ لیکن تعصب کی بنا پر اُنکے "تنگ نظر" ہونے کا الزام اگرچہ اعتراض میں واضح نہیں ہے لیکن چونکہ لامذہبوں کی یہ عادت ہوگئی ہے کہ جہاں مذہب کا نام آیا اور انہوں نے متعصب کہنا شروع کر دیا اسلیئے یہ جتا دینا ضروری ہے کہ علامہؒ تعصب کے سخت دشمن تھے۔ اور دُنیا کو اس سے بچنے کی تلقین کرتے تھے۔ "بانگ درا" میں اپنی مشہور نظم "تصویر درد" میں فرماتے ہیں۔

تعصب چھوڑ ناداں دہر کے آئینہ خانے میں — یہ تصویریں ہیں تیری جنکو سمجھا ہے بُرا تو نے

---

[1] اس اقتباس میں بعض باتیں غلط فہمی پر مبنی ہیں اور بعض ایسی جن کو زبردستی حضرت علامہؒ کیطرف منسوب کر دیا گیا ہے۔ (طلوع اسلام)

سبحان اللہ! تمام نسلِ انسانی کو اپنا سمجھنے اور تعصب دُور کرنے کی کیا لطیف دلیل ارشاد فرمائی ہے اقبالؒ کو کسی مذہب سے پرخاش نہ تھی ہاں دوسرے مذاہب پر اپنے مذہب کو ہمیشہ ترجیح دیتے تھے جو ہر انسان کی خصوصیت ہے کیا آپ مذہب دیگر انکے نزدیک تو مذہب کوئی اہم چیز ہی نہیں محض ایک لباس ہے جو بدل لیا جا سکتا ہے، یا اپنے اصول اور نظریہ کو غیروں کے اصولوں پر ترجیح نہیں دیتے ؟ ہاں اقبالؒ کے پاس اِس ترجیح کے لیے معقول دلائل ہیں، اور وہ یہ کہ اسلام کی بنیاد محبت اور عالمگیر اخوت پر ہے۔

یہ شہادت گہہِ الفت میں قدم رکھنا ہے　　لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

یہ اسلام ہی کی عالمگیر اُخوت کا نتیجہ تھا کہ آپ تعصب کی زہر کے لیے تریاق ثابت ہوئے آپکے کلام میں تہذیب فرنگ سے متعلق ایک بڑا حصہ ہے لیکن یہ اس لیے نہیں کہ آپکو حضرت مسیح علیہ السلام کے مذہب سے یا دیگر مذاہبِ مغرب سے عداوت تھی ہرگز نہیں، بلکہ اس لیے کہ آپکے نزدیک تہذیب فرنگ کے کند خنجر سے "انسانیت" کی شاہ رگ کاٹی جا رہی ہے اور اس کے مقابلے میں اقبالؒ کا مذہب یعنی اسلام "عالمگیر اُخوت" و "انسانیتِ کبریٰ" کا حامل ہے ؎

آدمیت زار نالید از فرنگ　　زندگی ہنگامہ برچید از فرنگ
مشکلاتِ حضرتِ آدم از دست　　آدمیت را غمِ پنہاں از وست
در نگاہش آدمی آب و گل است　　کاروانِ زندگی بے منزل است

دانشِ افرنگیاں تیغے بدوش
در ہلاکِ نوعِ انساں سخت کوش

اسلامی عالمگیر اخوت کو یاد دلاتے ہوئے اقبالؒ مسلمانوں کو "انسانیتِ کبریٰ" کو برسرِ اقتدار لانے کی دعوت دیتے ہیں جس میں بنی نوع انسان کی اجتماعی طور پر بھلائی ہوتی ہے۔

فریاد ز افرنگ و دلآویزی افرنگ　　فریاد ز شیرینی و پرویزی افرنگ
عالم ہمہ ویرانہ ز چنگیزی افرنگ　　معمارِ حرم! باز بہ تعمیرِ جہاں خیز

از خوابِ گراں، خوابِ گراں، خوابِ گراں خیز

مذہب اور وطنیت ایک اور نکتہ کیطرف اشارہ کر کے ہم اس مضمون کو ختم کرنا چاہتے ہیں بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ معترض نے اقبالؒ کا مطالعہ اچھی طرح نہیں کیا۔ لیکن اگر کیا ہے تو اقبالؒ کے مسلک سے شدید اختلاف کیوجہ سوائے اسکے اور کچھ نہیں ہو سکتی کہ علامہؒ اور معترض کے نظریوں میں اصولی اختلاف ہیں۔ معترض نے مذہب، قومیت اور وطنیت کے متعلق اپنا نظریہ کسی وقت بدیں الفاظ پیش کیا تھا۔

اُس کے علاوہ اپنے کو مسلم یا ہندو پہلے اور ہندوستانی بعد کو کہنا جغرافی صداقت اور فطری قانون کے بھی خلاف ہے، مذہب زیادہ سے زیادہ ایک ذہنی لباس ہے لیکن قومیت اور وطنیت تو ہمارے بدن کی جلد ہے بدن کی جلد کیسی قومیت تو ہمارا گوشت پوست اور ہمارا خمیر ہے لباس تو ہر وقت بدلا جا سکتا ہے۔ لیکن پوست اور خمیر کو کون بدل سکتا ہے ایسا کیوں ہے؟ اس لئے کہ قومیت و وطنیت ایک ایسی قدرتی چیز ہے جس کا تبدیل کر دینا طاقتِ بشری سے باہر ہے۔

اس کے متعلق ہم جناب رازی (طلوع اسلام) کا قول نقل کرنے پر اکتفا کریں گے یعنی کل تک اہل برما ہندوستانی تھے اور آج سیاسی مدبرین کی ایک جنبش قلم سے "برمی" ہو گئے"۔ جس سے ظاہر ہے کہ وطنیت اور قومیت بدلی جا سکتی ہے۔

اس کے بالمقابل مذہب اور ملک کے متعلق جس میں قومیت اور وطنیت دونوں شامل ہیں۔ حضرت علامہ کا نظریہ یہ ہے کہ

ملک است تنِ خاکی و دیں رُوح در واں است

دونوں نظریوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے جہاں علامہؒ کا نظریہ ٹھیٹ صداقت کی بنا پر ہندوستان کے غلاموں کی زندگی میں ایک عالمگیر انقلاب پیدا کرنے کی صلاحیت اپنے اندر رکھتا ہے۔ وہاں جناب معترض کا نظریہ واقعات کی کسوٹی پر پرکھے جانے کی تاب نہیں لا سکتا۔

(کتاب مسلسل) # معارف القرآن (سلسلہ کیلئے دیکھئے طلوع اسلام اپریل ستمبر ۱۹۳۸ء)

(زیر ترتیب)

اور آگے بڑھیے تو تین خداؤں کا عقیدہ آجاتا ہے۔ عیسائیوں کا باپ، بیٹا، روح القدس، تین میں ایک، ایک میں تین[1] کا عقیدۂ تثلیث۔ یہ عقیدہ بھی باطل ہے:

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا إِلَٰهٌ وَاحِدٌ (۵/۷۳)

بلا شبہ ان لوگوں نے بھی کفر کیا جنہوں نے کہا کہ اللہ تین میں کا ایک ہے حالانکہ بجز ایک معبود کے اور کوئی معبود نہیں

یونان کے اقنوم ثلاثہ کا عقیدہ جو آریہ ورت میں آکر روح، مادہ اور خدا کا عقیدہ بن گیا وہ بھی تبعاً اس میں شامل ہے[1]۔

عرب کے بعض قبائل فرشتوں کو معبود سمجھتے تھے۔ اس کی تردید بھی قرآن کریم میں موجود ہے۔ کہ فرشتوں میں یہ جرأت کہاں کہ وہ اپنے آپ کو معبود کہلائیں وہ تو خدا کے مکرم بندے ہیں اور خدا کے احکام کی اتباع کرتے ہیں۔

وَمَن يَقُلْ مِنْهُمْ إِنِّي إِلَٰهٌ مِّن دُونِهِ فَذَٰلِكَ نَجْزِيهِ جَهَنَّمَ ۚ كَذَٰلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ (۲۱/۲۹)

اور ان میں سے جو یوں کہے کہ میں خدا کے سوا معبود ہوں تو ہم اس کو سزائے جہنم دینگے اسی طرح ہم ظالمین کو سزا دیا کرتے ہیں

اور پھر اس الوہیت کی طرف آیئے جو انسانی عظمت و تقدس کا نقاب پہن کر عقیدت وارادت کے راستے دل میں غیر محسوس طور پر رگ و پے میں سرایت کر جاتی ہے کہ جب تک پھر جسم سے سارا خون نہ نکال دیا جائے اپنی جگہ نہیں چھوڑتی۔ یہ مذہبی احبار و رہبان، علماء و مشائخ کو خدا بنا لینا ہے، حالانکہ اُن کی عبودیت اختیار کرنیکا کہیں حکم نہ تھا۔

---

[1] ہندؤں کے ہاں یہ عقیدہ بھی تثلیث ہی کی طرح ہے۔ یہ برہما (خدا) پراکرتی (مادہ) اور آتما (روح) کو قدیم مان کر ایک میں تین اور تین میں ایک کے قائل ہیں۔ مشہور فلاسفر راما نج اسی عقیدہ کا پرچارک ہے اور یہی عقیدہ اس کے فلسفہ میں ملتا ہے۔

DOCTRINE OF QUALIFIED NON-DUALISM

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (۹/۳۱)

انھوں نے اللہ سے ورے ہی۔ اپنے احبار و رہبان کو خدا بنالیا اور مسیح ابن مریمؑ کو بھی۔ حالانکہ اُن کو حکم یہی دیا گیا تہا کہ وہ اسی ایک الٰہ کی پرستش کریں جسکے سوا کوئی دوسرا الٰہ نہیں ہے۔ وہ انکے شرک سے پاک ہے۔

اس قسم کا شرک چونکہ اہل کتاب نے اختیار کر رکھا تہا اس لیئے ان کو مخاطب کرکے کہا گیا کہ انبیاء۔ رسل۔ احبار و رہبان کو خدا بنا لینے کی تعلیم تو خدا کیطرف سے نہ تھی۔ آؤ تمہیں وہ سچائی بتائیں جو تمہاری تحریفات سے پہلے تمہاری آسمانی کتابوں میں موجود تھی نجران کے عیسائیوں کو جو حضورؐ نے دعوتِ مباہلہ دی تو اسکے بعد فرمایا:۔

وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔ (۳/۶۱)

اور اللہ کے سوا کوئی اُلٰہ نہیں ہے۔ یقیناً وہی زبردست حکمت والا ہے۔

اور جملہ اہل کتاب کے متعلق فرمایا:۔

وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَاُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝ (۲۹/۴۶)

اور اہل کتاب سے بہترین طریق سے بحث و مجادلہ کرو۔ سوائے انکے جو ان میں سے زیادتی کریں اور یوں کہو کہ ہم اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو ہم پر نازل ہوا ہے اور اس پر بھی جو تم پر نازل ہوا تہا اور تمہارا اور ہمارا الٰہ تو ایک ہی ہے اور ہم سب اُسکے حضور جھکنے والے ہیں۔

یہ حصّہ تو وہ ہے جہاں لوگوں نے محسوسات کو الٰہ بنا رکہا ہے۔ کسی نے پتھر کے بُت کی شکل میں، کسی نے گائے اور بچھڑے کی صُورت میں، کسی نے اپنے انبیاء، رسل اور اوتاروں کے لباس میں۔ کسی نے احبار و رہبان کے نقاب میں۔ کسی نے روح اور مادہ کو قدیم تسلیم کرکے۔ کسی نے اھرمن و یزداں کی الگ الگ صفات کے اعتبار سے۔ لیکن قرآن کریم ان سب سے ایک قدم آگے جاتا ہے اور شرک کی

ایک ایسی شکل بیان کرتا ہے جسے کسی انسان کی آنکھ بھانپ نہیں سکتی تھی۔ اس غیر محسوس شئے کو شرک قرار دینا صرف خدائے علیم وبصیری کا کام تھا۔ وہ خدا جو دل کی گہرائیوں میں گزرنیوالے خیالات سے بھی واقف ہے۔ سُنیئے کہ یہ شرک کی کون سی غیر مرئی صورت ہے اور غور فرمایئے کہ اتنی گہرائی تک پہونچنا دین کے اکمل ہونے کی شہادت ہے یا نہیں فرمایا :-

اَفَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَیْهِ وَكِیْلًا ﴿۲۵/۴۳﴾

کیا تونے اس کو بھی دیکھا جسنے اپنی خواہشات کو ہی اپنا الٰہ بنالیا۔ توکیا تو اسکی نگرانی کر سکتا ہے۔

دوسری جگہ ہے :-

اَفَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً فَمَنْ یَّهْدِیْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۵/۴۳﴾

کیا تونے اس کو بھی دیکھا جسنے اپنی خواہشات کو ہی اپنا خدا بنا رکھا ہے، اور اسے اللہ نے باوجود علم کے گمراہ کردیا اور اسکے کانوں پر اور قلب پر مُہر لگادی اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا۔ اللہ کے بعد اس کو کون ھدایت دے سکتا ہے؟ کیا تم پھر بھی نصیحت نہ حاصل کروگے۔

اس آیت مقدسہ کو سامنے رکھیئے اور پھر کبھی آج کی تمام مہذب دنیا پر ایک نگاہ ڈالیئے اور کبھی اپنے دل کے نرم ترین گوشوں کو ٹٹولیئے اور دیکھئے کہ حقائق وبصائر کی کتنی دنیائیں اس ایک ٹکڑے کے اندر پوشیدہ ہیں۔ ہم پہلے دیکھ چکے ہیں کہ قرآن کریم نے فرمایا ہے کہ ایک سے زیادہ الٰہ مقرر کرلینے سے فساد پیدا ہو جاتا ہے، غور کیجئے کہ آج جب کہ چاروں طرف خشکی اور تری میں فساد ہی فساد رونما ہو رہا ہے (ظہر الفساد فی البر والبحر) کیا اسکی وجہ یہ ہی نہیں کہ ہر ایک قلب صنم کدہ بن رہا ہے۔ ہر فرد اور افراد کا مجموعہ۔ ہر قوم۔ اپنی اپنی خواہشات کو ہی اپنا خدا بنائے بیٹھے ہیں، اور اس خدا (یعنے خواہشات وجذبات) کے تغلب وتسلط میں جائز وناجائز کی کوئی تمیز باقی نہیں رکھتے

جائز، بقول لینن۔ اور میکیاوَلی۔ وہ جس سے مقصد حاصل ہو جائے۔ ناجائز وہ جو حصول مقاصد مخل ہو۔" یہ ہیں وہ بُت جنہوں نے آج اس دُنیا کو جہنم زار بنا رکھا ہے، وہ بُت جن کی تعمیر کسی سنگ تراش کے ہاں نہیں ہوتی بلکہ یہ خود ذہنِ انسانی کے کارخانے میں ڈھلتے ہیں۔ اُن کا مسکن کوئی مندر نہیں بلکہ قلبِ انسانی ہوتا ہے مال اور اولاد کا بُت۔ عزت وجاہ کا بت۔ دولت و ثروت کا بُت، حکومت وسلطنت کا بُت، ملک ونسب کا بُت اور نہ معلوم کون کون سے لات و منات اور کون کون سے جبل وعزیٰ ہیں جو اسکے جلۂ دماغ میں ہر آن تراشے رہتے ہیں جنکے سامنے کھڑا یہ کانپتا ہے۔ لرزتا ہے۔ گڑگڑاتا ہے۔ سجدے کرتا ہے، ماتھے رگڑتا ہے۔ وہ بُت جنکے متعلق علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:۔

می تراشد فکرِ ما ہر دم خداوندے دگر
رست از یک بند تا افتاد در بندے دگر

یہ ہے شرک کی وہ خوفناک اور بھیانک گھاٹی جہاں سے پھسل کر انسان سیدھا ہلاکت اور بربادیوں کے ہولناک جہنم میں جا گرتا ہے۔ قرآن کریم نے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو باوجود علم کے گمراہ ہو جاتے ہیں۔ کہ علم کا تقاضا تھا کہ وہ حق و باطل میں امتیاز کرتا لیکن جب جذبات عقل پر غالب آجائیں جب خواہشات دماغ پر قابو پالیں تو پھر علم وعقل کبھی صحیح راستہ کیطرف راہ نمائی نہیں کر سکتے یہی وہ مقام ہے جہاں پہونچ کر انسان کے کان خطرات کی گھنٹیوں کیطرف سے بند ہو جاتے ہیں اس کی آنکھوں پر پردے پڑ جاتے ہیں کہ وہ اپنے اعمال کے نتائج وعواقب نہیں دیکھ سکتا۔ اس کا قلب زنگ آلود ہو جاتا ہے۔ بقول برنارڈ شا "یورپ جذبات کے دھارے پر بہے چلا جا رہا ہے، اور نہیں سوچتا کہ اسکا دہانہ کون سی ہلاکتوں کا سمندر ہے" یورپ میں علم کی کیا کمی ہے لیکن سارا علم کیا اسی تگ و دو میں صرف نہیں ہو رہا کہ ہمارے تغلب اور دوسروں کی ہلاکت کے لیئے کون کون سے طریق سب سے زیادہ مؤثر اور سریع النفوذ ہو سکتے ہیں کیا آج نوعِ انسانی پر جو خدا کی زمین اس درجہ تنگ ہو رہی ہے تو اس کی یہی وجہ نہیں کہ علم جذبات کے تابع چل رہا ہے! انسان نے اپنی خواہشات کو ہی اپنا

معبود بنا رکھا ہے!! ان بتوں کو توڑ دیجئے۔ اور انسان کے علم کو ایک الٰہ حقیقی۔ اس خدائے رب العلمین کی رضا جوئی کے ماتحت جہانبانی کرنے دیجئے۔ پھر دیکھئے یہی دوزخ، جنت میں تبدیل ہو جاتا ہے یا نہیں۔ علم کو اسوقت بھی اجازت ہو گی کہ وہ توپ اور بارود بنانے کی تراکیب سوچے لیکن توپ بنجانے کے بعد اس بات کی اجازت علم و عقل کو نہ ہو گی کہ اسکا رخ بھی اپنی مصلحتوں کے ماتحت متعین کر سکیں یہ چیز کوئی اور متعین کریگا کہ اس توپ کے گولے کی زد کہاں پڑنی چاہیئے یہ ظالم کا ظلم روکنے کے لئے استعمال کی جائیگی یا اسکا نشانہ کمزور و ضعیف کا سینہ ہو گا۔ محض اس جُرم کی بنا پر کہ وہ کمزور کیوں ہے!! اسکا فیصلہ توپ بنانے والا نہیں کریگا۔ بلکہ کوئی اور قوت کرے گی۔ یہی وہ مقام ہے جہاں پہونچ کر وحی کی ضرورت پڑتی ہے جہاں انسان آسمانی ہدایت کا محتاج ہوتا ہے جب انسان اپنے علم کے ماحصل کو خدا کے قوانین کے سپرد کر دیگا تو پھر یہی علم جو آج یوں انسانیت سوز بن رہا ہے۔ انسانیت ساز بنجائیگا۔ اور اُسوقت سمجھ میں آجائیگا کہ لا الٰہ۔ اِلّا اللّٰہ کے معنی کیا ہیں۔

خلاصۂ مبحث

عنوان زیرِ نظر سے ہمیں معلوم ہو گیا کہ ایک بلند و بالا قوت کا احساس فطرتِ انسانی کے اندر وجدانی طور پر موجود ہے۔ اسی قوت کو الٰہ کہتے ہیں۔ فطرتِ صحیحہ کا تقاضا ہے کہ الٰہ حقیقی کا تصور اُسکے سامنے ہو۔ لیکن جب فطرت خارجی اثرات سے زنگ آمیز ہو جائے تو حقیقی الٰہ کے بجائے باطل خداؤں کا تصور اُسکے سامنے آجاتا ہے۔ اسی باطل تصور کو مٹانے اور حقیقی الٰہ کی ذات کو اجاگر کرنے کے لیے خدا کیطرف سے حضرات انبیاءِ کرامؑ کی وساطت سے آسمانی ہدایت آتی رہی اور خدا کا یہ پیغام ازلی شروع سے اخیر تک ایک ہی رہا۔ یہی پیغام اپنی آخری اور مکمل شکل میں قرآن کریم کے اندر موجود ہے اور اسکے باہر کہیں نہیں ہے اس باطل عقیدہ کی جسقدر شکلیں انسانوں میں رائج ہو چکی تھیں، قرآن کریم ان سب کی تردید کرتا ہے، اور عقل و بصیرت کو اپیل کر کے حقیقی الٰہ کے ایمان کی صداقت پر دلائل پیش کرتا ہے اُسکے نزدیک یہ نظامِ کائنات ایک مربوط اور باہمد گر پیوستہ مشینری ہے۔ اور اس کارگہِ حیات میں ایک شے

کی حرکت کا اثر دوسری شئے پر پڑتا ہے حتے کہ یہ اثرات ایک علت العلل ایک آخری قوت پر اختتام پذیر ہوجاتے ہیں، اور وہ ذات الٰہ حقیقی ہے، نظام کائنات کی یک جہتی اور یگانگت اس بات پر دال ہے کہ اسکے پیچھے اسکے چلانے والی مشیت بھی ایک ہی ہو پھر اُس ایک مشیت کو تمام صفات حسنہ کی حامل ہونا بھی ضروری ہے اسلئے قرآن کریم مختلف گوشوں سے اسکی صفات کو واضح طور پر سامنے لاتا ہے دوسری طرف وہ انسان کو یہ بتاتا ہے کہ نظام کائنات کی ہر شئے اسکے تابع فرمان ہے اسلئے اس کا کسی شئے کے سامنے جھکنا خود اسکی خودی .اس کی عزت نفس کے منافی ہے، لہذا جھکنا صرف اُسکے سامنے زیبا ہے جو اس سے بلند و برتر ہو اور وہ صرف خدا کی ذات ہے حتے کہ انسان کو خود اپنی خواہشات کے سامنے بھی نہیں جھکنا چاہیئے بلکہ اپنی خواہشات کو ہمیشہ قوانین الٰہی کے تابع رکھنا چاہیئے اِسی سے دُنیا کا نظام امن قایم رہ سکتا ہے .-

---

طلوع اسلام

ہر انگریزی مہینہ کی پہلی تاریخ کو شائع ہو جاتا ہے، جن خریداروں کو وقت پر پرچہ نہ ملے وہ چھ روز کے اندر دوبارہ طلب فرما سکتے ہیں۔

الله

اللہ اسمِ ذات ہے!

لفظ الٰہ کے متعلق ہم دیکھ چکے ہیں کہ وہ ہر معبود کے لیئے استعمال ہو سکتا ہے لیکن وہ معبودِ حقیقی کہ جسکے سوا کوئی اور ہستی پرستش کے قابل نہیں. وہ ذات ہے جسکا نام اللہ ہے۔ اِلٰہ کا ہمزہ حذف کرکے اسپر الف۔ لام داخل کیا گیا ہے اور اسطرح یہ لفظ صرف اس ذاتِ باری تعالےٰ کے لئے مختص ہو چکا ہے اِسکے سوا کسی اور کے لیئے یہ لفظ استعمال نہیں ہو سکتا۔ صفات کے اعتبار سے تو خدا کے کئی نام ہیں۔ لیکن ذات ربّ العٰلمین کے لیے صرف یہی ایک نام ہے۔

حقیقت ذات کا ادراک

اللہ کیا ہے !! اس کی ہستی کیسی ہے!! یہ وہ سوالات ہیں جن کا جواب عقلِ انسانی کے احاطہ سے باہر ہے عقل درحقیقت نام ہے ان مجموعی نتائج کا جو انسان اپنے علم و مشاہدات سے حاصل کرتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ وہ ذرائع جنکے توسط سے انسان اپنے علم و مشاہدات کو اکتساب کرتا ہے بالکل محدود ہیں۔ سو جب وہ ذرائع محدود ہیں تو ان ذرائع سے جو کچھ حاصل کیا جائے گا وہ لامحدود کس طرح ہو سکے گا، وہ انسان جو ابھی تک یہ بھی معلوم نہیں کر سکا ہے کہ وہ خود کیا ہے وہ یہ کیا معلوم کر سکے گا کہ خدا کیا ہے، وہ شخص جو مشینری کی حقیقت دریافت کرنے سے عاجز ہے وہ اس مشینری بنانے والے دماغ کی کنہ وحقیقت کا کس طرح احاطہ کر سکتا ہے ذاتِ خداوندی کی ماہیت کا علم، انسان کی سرحدِ ادراک سے ماوراء ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم عرفان (خدا کے پہچاننے) کا تقاضا نہیں کرتا، وہ صرف ایمان (مان لینے) کا تقاضا کرتا ہے (یہ ایمان کیوں ضروری ہے اس کی تفصیل

ایمان و عرفان

الله

اپنی جگہ آئے گی) پھر جس چیز کو انسان براہِ راست نہ سمجھ سکے اس کے سمجھنے کا دوسرا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ اُس جیسی کسی دوسری شئے سے اس کے متعلق اندازہ لگا لیا جائے لیکن وہ ذات بے ہمتا و بے چون وہ ہے جسکے متعلق ارشاد ہے کہ :۔

لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ ۴۲ اسکی مثل کوئی شے نہیں

لہٰذا خدا کی ماہیت انسان کے ذہن میں کیسے آسکتی ہے۔ قرآن کریم میں ایک جگہ اللہ تعالےٰ نے اپنی ذاتِ اقدس کے متعلق ایک مثال بیان فرمائی ہے۔

نور ارض و سموات

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ يَهْدِى اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۲۴: ۳۵-۳۶

اللہ نور ہے آسمانوں کا اور زمین کا۔ اُسکے نور کی مثال ایک طاق کی مانند ہے جس میں ایک چراغ ہو۔ وہ چراغ ایک قندیل میں ہو، وہ قندیل ایسا (صاف و شفاف) ہو گویا چمکتا ہوا تارہ ہے۔ وہ چراغ ایک مبارک درخت زیتون (کے تیل) سے روشن کیا جاتا ہے جو نہ شرقی ہے نہ غربی۔ اس کا تیل (ایسا ہے کہ) اگر اس کو آگ نہ بھی چھوئے تو بھی معلوم ہوتا ہے کہ (خودبخود) روشن ہو جائے گا۔ نور علےٰ نور جس کو چاہتا ہے۔ اللہ اپنے نور سے ہدایت دیتا ہے اور اللہ لوگوں کے لئے یہ مثالیں بیان کرتا ہے اور اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے (یہ طاق) ایسے گھروں میں ہے جن کی نسبت اللہ نے اجازت دے رکھی ہے کہ بلند کئے جائیں اور ان میں اللہ کا نام لیا جائے اور صبح و شام (یہ لوگ) اُن میں اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں

اللہ

محسوسات کا خوگر انسان ہمیشہ یہ چاہتا ہے کہ بسیط سے بسیط حقیقت بھی لباس مجاز میں آکے سامنے جلوہ بار ہو یا کم از کم اس حقیقت مجردہ کو بیان اس انداز سے کیا جائے کہ وہ اسکے ذہن میں ایک محسوس پیکر کا تصور قایم کر سکے، یہی وہ بنیادی غلطی تھی جس کی وجہ سے انسان نے بت پرستی اختیار کی۔ اسلام چونکہ علم و بصیرت کا مذہب ہے اسلیئے اُسنے وہ تمام دروازے بند کر دیئے جنکے راستے اس قسم کی توہم پرستی داخل ہو سکتی تھی، اُسنے ذات باری تعالےٰ کے متعلق کوئی مثال بھی ایسی بیان نہیں کی جس کی بناپر ذہن کسی محسوس و مشہود پیکر کیطرف منتقل ہو جائے، وہ حقیقت کو حقیقت رکھنا چاہتا ہے ذہن انسانی کے تقاضا کو پورا کرنے کے لیئے اُسے کسی مجسمہ میں تبدیل نہیں کرنا چاہتا۔ مذکورہ صدر مثال میں جو لطیف و بسیط اشارات ہیں۔ انہیں انسان اپنی سمجھ کیمطابق خواہ کچھ ہی معنی کیوں نہ پہنائے لیکن وہ خدا کی ماہیت بیان نہیں کریں گے۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ اُسنے اس مثال کو یوں سمجھا ہے۔ تفاسیر میں اسکے متعلق بہت کچھ مذکور ہے لیکن مجھے وہ مفہوم اصل سے زیادہ قریب معلوم ہوتا ہے جو مولانا اسلم جیراجپوری نے اپنی کتاب تعلیمات القرآن کے حاشیہ میں لکھا ہے وہ فرماتے ہیں کہ :-

اس مثال کو یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ عبادتخانہ سے مراد ہے دین۔ طاق سے مومن شیشہ سے اس کا آئینہ دل، چراغ سے ایمان۔ اور مبارک درخت زیتون کے تیل سے وہ ہدایت جو کلام الٰہی سے حاصل ہوتی ہے جو نہ مشرقی ہے نہ مغربی

میں نے اسے اصل سے قریب اسلئے کہا ہے کہ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر دین فطرت آسمانی ہدایات اور خود قرآن کریم کو نور کہا گیا ہے (اس کی تفصیل نور کے عنوان میں ملے گی) اور یہاں بھی یہ لکھا ہے کہ اللہ اپنے نور سے جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ لہذا یہ روشنی خود کلام الٰہی ہے، اب باقی مثال کو اس سے واضح کیا جا سکتا ہے لیکن بایں ہمہ ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ اس مثال سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ ہر شئے جو حق ہے وہ نور ایزدی ہے اس کائنات کے جملہ حقایق اسی کے آئینہ جمال کے پرتو ہیں +

صفات الٰہی

ذات خداوندی کے متعلق توہم بتا چکے ہیں کہ اس کی حقیقت و ماہیت سرحدِ ادراک سے ماوراء ہے۔ لیکن جن چیزوں سے خدا کا تصور ذہن میں مرتسم ہو سکتا ہے وہ اس کی صفات ہیں یعنی وہ خدا کیسا ہے، کون کون سی قوتوں کا مالک ہے، نظام کائنات میں اسکے جلوے کس کس انداز سے کار فرما ہیں وغیرہ وغیرہ۔ دنیا میں چند ملحدین کے سوا خدا کی ذات کا تو کوئی منکر نہیں، اور ملحدین کا انکار بھی دراصل ایک نام بدل دینے کے مرادف ہے۔ وہ قوت جو نظم و نسق عالم کو برقرار رکھے ہوئے ہے، ماننے والوں کے نزدیک خدا ہے۔ اور نہ ماننے والوں کے نزدیک فطرت (NATURE)۔ نہ ملحدین ذاتِ خداوندی کی ماہیت کا احاطہ کرسکتا ہے نہ یہ فطرت کی حقیقت بتا سکتے ہیں۔ ذہنِ انسانی کی رسائی زیادہ سے زیادہ علت و معلول کے سلسلہ تک ہو سکتی ہے لیکن علت العلل کی حقیقت تک تو کوئی ذہن نہیں پہونچ سکتا۔ زمین قایم ہے نظام شمسی کے کروں کی باہمدگر کشش سے، اور نظام شمسی قایم ہے دیگر ستاروں کی مرکزی جاذبیت سے اور وہ گو ستارہ قایم ہے — ماننے والوں کے نزدیک مشیت خداوندی سے، اور نہ ماننے والوں کے نزدیک اصول فطرت کے ماتحت کہ جو سمجھ میں نہیں آسکتا وقس علے ھٰذا۔

ہاں۔ تو کہنا یہ تھا کہ دنیا میں ذاتِ خداوندی سے تو کسی کو انکار نہیں۔ جس چیز میں فرق پڑتا ہے، وہ صفاتِ خداوندی ہیں۔ انہی صفات کے صحیح تصور سے، خدائے حقیقی کا صحیح ایمان قلبِ انسانی میں آسکتا ہے اور انہی کے غلط تعین سے انسان باطل پرست ہو جاتا ہے۔ قرآن کریم کی واضح خصوصیت یہ ہے کہ اسنے صفاتِ خداوندی اس شرح و بسط اور اس صحت و صواب کے ساتھ بیان کی ہیں کہ انکے ذریعے سے انسان خدا کے متعلق ایک حقیقت ثابتہ تک پہنچ جاتا ہے۔ اس لیے کہ خدا کے متعلق کسی صحیح تصور تک صرف آسمانی کتابیں ہی پہنچا سکتی ہیں۔ لیکن ادیان عالم میں۔ اسلام کے سوا کوئی مذہب ایسا نہیں جو حتم و یقین کے ساتھ کہہ سکے کہ جو آسمانی کتاب انکے پاس ہے وہ تحریف و الحاق سے پاکیزہ ہے اس میں ذہنِ انسانی کی آمیزش نہیں ہو چکی۔ اب ظاہر ہے کہ جس قسم کے خدا کا تصور ذہن انسانی پیدا کریگا۔ وہ انسانی تخیلات ہی کا پیکر ہوگا۔ اس کی صفات انسانی

اللہ

صفات کا ہی عکس ہوں گی، زیادہ سے زیادہ یہ کہ اس کی قوتیں مقدار و شمار میں بڑھا دی جائیں گی، انسان کے دو ہاتھ ہیں تو اس خدا کے چار ہاتھ بنا دیئے جائیں گے۔ انسان ایک پتھر اٹھا سکتا ہے تو وہ خدا ایک پہاڑ اٹھائے گا، انسان کا قد پانچ چھ فٹ ہوتا ہے۔ خدا کا قد پچاس ساٹھ فٹ ہو جائے گا۔ ہندوستان کے دیوی دیوتا اور اصنامیات یونان کے مقدس مجسمے اسی غلط تصور کے مظاہرات ہیں۔ انسان کا ذہن انسانی سے الگ ہو کر کوئی خدا بنا ہی نہیں سکتا اور یہ سب سے بڑی داخلی دلیل ہے اس امر کی کہ ان آسمانی کتابوں میں، اگر یہ آسمانی تھیں تو ذہن انسانی کی آمیزش ہو چکی ہے۔ مثلاً ویدوں کا خدا خالص انسانی قالب میں ڈھلا ہوا ہے۔ رگوید منڈل ۱۰ سوکت ۹۰ منتر ۱۲-۱۳ یا یجر وید ادھیائے ۳۱ منتر ۱۱-۱۲ میں ہے:۔

"برہمن اس کے منہ سے (پیدا) ہوئے۔ اور اس کے بازوؤں سے کشتری ذات کے لوگ پیدا ہوئے۔ جو ویش ہیں وہ اسکی ٹانگوں سے پیدا ہوئے۔ اور پرمیشور کے دونوں پاؤں سے بے چارے شودر پیدا ہوئے۔ ۱۲ چاند اس کے منہ سے پیدا ہوا، آنکھوں سے سورج پیدا ہوا۔ منہ سے اندر اور اگنی دیوتا پیدا ہوئے۔ اور نفوس سے ہوا پیدا ہوئی۔"

یا مثلاً یجر وید ادھیائے ۳۱ منتر ۱۳ میں لکھا ہے۔

"پرمیشور کی ناف سے طبقۂ وسطیٰ (پیدا) ہوا، سر سے طبقۂ علوی پیدا ہوا۔ پرمیشور کے دونوں پاؤں سے زمین اور کانوں سے اطراف اور کرے پیدا ہوئے۔"

اتھروید کانڈ ۱۱ سوکت ۲ منتر ۵-۶ میں ایشور کا سروپ (حلیہ) یوں بیان کیا گیا ہے

"اے پشو پتے۔ جیوں کے سوامی! اے ماتن! تیرے مکھ (منہ) کو نمسکار ہے۔ اے بھو! سروا تتیا وک ایشور! تیری جو چکشو میں (آنکھیں) ہیں ان کو بھی نمسکار ہے تیری توچا (چمڑی) کو نمسکار ہے ...... اے پرمیشور! تیرے انگوں (اعضاء) کو نمسکار ہے۔ تیرے اُدر بھاگ (پیٹ) کو نمسکار ہے۔ تیری جیبھ کو نمسکار ہے۔ تیرے آسیہ مکھ (چہرے) کو نمسکار ہے، تیرے دانتوں کو نمسکار ہے۔ تیرے (دانتوں کی) گندھ (بو)

کو نمسکار ہے" (ترجمہ پنڈت جے دیو شرما صاحب)

اگر وہ انسان سے الگ ہو جاتا تو وہ مظاہرِ فطرت جن سے انسان اپنے عہدِ طفولیت میں ڈرتا تھا۔ انہیں خدا تصور کر لیتا تھا۔ مثلاً یجر وید ادھیائے ۱۳ منتر ۶ میں ہے۔

"زمین پہ چلنے والے سانپوں کو سجدہ (قبول) ہو۔ اور جو سانپ ہوا میں یا آسمان پر ہیں۔ ان کو ہمارا سجدہ ہے، جو سانپ یا تو دہانوں کے تیروں کے ساتھ آتے ہیں، یا بناتاتے ہیں۔ اور جو سانپ اپنے بلوں میں لیٹے ہیں۔ ان کو ہمارا سجدہ قبول ہو۔ جو سانپ درمیوں میں یا سورج کی کرنوں میں اور پانیوں میں رہتے ہیں، ان کو ہمارا سجدہ قبول ہو۔" (انگریزی ترجمہ کے لیے پرنسپل گرفتھ ایم اے کا ترجمہ دیکھئے۔) *سانپوں کی پرستش*

جیسے کہ یجر وید ادھیائے ۳ منتر ۶۳ میں سر منڈاتے وقت حجام کے استرے کو سجدہ کرنے کا حکم لکھا ہے جس کا ترجمہ پنڈت رام گوپال صاحب ودیا النکار نے سنسکار پرکاش میں یوں کیا ہے۔

"ہے استرے! تو کلیان کاری ہے اور اچھے لوہے کا بنا ہوا ہے تجھے نمسکار (سجدہ) ہو تو اس بالک کو ہانی (تکلیف) مت پہنچانا۔" *استرے کو سجدہ*

اتھرو وید کانڈ ۱ سوکت ۲۵ منتر ۴ میں بخار کو سجدہ کرنے کو لکھا ہے *بخار کو سجدہ*

"سردی والے بخار کو سجدہ قبول ہو۔ گرمی والے اور نامی بخار کو بھی ہیں سجدہ کرنا ہے روزانہ۔ دوسرے اور تیسرے دن آنے والے بخار کو میرا سجدہ قبول ہو۔"

مطلب اس سے ہمارا یہ ہے کہ جو قابلِ پرستش شے ذہنِ انسانی کی تخلیق ہوتی ہے، وہ انسانی تخیلات سے آگے نہیں بڑھ سکتی۔ اور بقول جلیا کر کا نتھے نے لکھا ہے جس قسم کا معبود کوئی قوم اپنی پرستش کے لیے تجویز کر لیتی ہے، وہ معبود اس قوم کے تمدن و تہذیب کا آئینہ دار ہوتا ہے اسلیے کہ معبود کی عظمت اور تقدس کا تقاضا ہوتا ہے کہ انسان سے بہترین لباس میں پیش کرے، لہٰذا کسی قوم کا تجویز کردہ معبود اس قوم کے ذہنی ارتقا کے آخری نقطہ کو ظاہر کریگا یعنی وہ معبود جو ذہنِ انسانی کی پیداوار ہو) اوتار کا عقیدہ بھی انسان کے اسی رجحان کا آئینہ دار ہے وہ جس انسان *اوتار کا عقیدہ*

اللہ

میں کوئی ایسا جوہر دیکھتا جو اوسط درجہ کے انسانوں سے ذرا زیادہ ہوا سے فوق البشر تسلیم کرلیتا اور اسے خدا بشکل انسان تصور کرتا۔ اوتار کا یہی عقیدہ ہے جسے بعد میں عیسائیت نے اپنایا اور اُلوہیت مسیحؑ کے قالب میں ڈھال لیا۔ ڈاکٹر براؤن نے اپنی کتاب (RESEARCHES IN ORIENTAL HISTORY

ہندومت اور مسیحیت

میں اس چیز کو بڑی تحقیق و کاوش سے ثابت کیا ہے کہ الوہیت مسیحؑ عقیدۂ اوتار کی ہی صدائے بازگشت ہے حتےٰ کہ اکثر عیسائی محققین اس نتیجہ پر پہونچے ہیں کہ مسیحیت کی موجودہ تعلیم کا بیشتر حصہ بُدھ مت کی قدیم تعلیم سے ہی لیا گیا ہے مشہور مستشرق (MAX MULLER) اپنی کتاب (SCIENCE OF RELIGION) میں لکھتا ہے کہ :-

"مہاتما بُدھ اور اُنکے شاگردوں کی زبان اور (حضرت) عیسٰی اور اُنکے حواریوں کی زبان میں عجیب تطابق پایا جاتا ہے بُدھ مت کے اکثر افسانے اور تمثیلات سے یوں معلوم ہوتا ہے گویا انجیل کے عہد جدید سے اخذ کیے گئے ہیں، حالانکہ یہ ظاہر ہے کہ وہ سنِ عیسوی کے شروع ہونے سے بہت پہلے سے دُنیا میں موجود ہیں"

(BUNSEN) اپنی کتاب (ANGEL - MESSIAH) میں لکھتا ہے :-

بدھ مت اور عیسائیت

بُدھ مت کے متعلق جو قدیم ترین ریکارڈ ملتے ہیں ان میں مہاتما بُدھ کی زندگی اور تعلیم سے متعلق جو کچھ نظر آتا ہے عجیب بات ہے کہ وہ نمایاں طور پر ان روایات سے ملتا ہے جو حضرت مسیحؑ کے متعلق الانجیل میں پایا جاتا ہے یہ تو ناممکن ہے کہ اُسے محض ایک اتفاقی امر کہہ لیا جائے اور تعجب اور بھی بڑھ جاتا ہے جب یہ دیکھا جائے کہ یہ روایات صرف صحیفۂ پولوس اور کتاب چہارم میں پائی جاتی ہیں (ان سے پہلے کتابوں میں انکا ذکر نہیں)

مقصد اس سے یہ ظاہر کرنا ہے کہ جہاں انسان نے اپنے ذہن سے خدا کی تخلیق کی ہے۔ وہ خدا، انسان ہو کے رہ جاتا ہے قرآن کریم نے خدائے بلند و برتر کی جو صفات بیان کی ہیں ان کے مطالعے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ انسانی تخیلات اور ایک ایسی تعلیم میں جس کا سرچشمہ ذہن انسانی سے ماوراء

اللہ

ہو، کیا فرق ہوتا ہے یہی بنیادی فرق ہے جس کی رو سے (علاوہ دیگر شہادات کے) اسلام کا دعویٰ ہے کہ اس سے پیشتر جس قدر آسمانی پیغامات انسان کو ملے تھے وہ اپنی اصلی شکل میں موجود نہیں ہیں اور آج صفحۂ ہستی پر قرآن کریم ہی صرف ایک ایسی آسمانی کتاب ہے جو حوادث ارضی وسماوی کی دستبرد سے محفوظ اور ذہن انسانی کی آمیزش سے منزّہ ہے

(۱) توحید

لاالٰہ الااللہ

ذات باری تعالےٰ کے متعلق اسلام کا بنیادی عقیدہ لا الٰہ الا اللہ ہے، دیکھنے میں تو یہ چار لفظ ہیں لیکن حقیقت میں کائنات کے چاروں گوشے سمٹ کر اسکے اندر آگئے ہیں تفصیل اس کی آپ اللہ کے عنوان میں دیکھ چکے ہیں مطلب اس سے یہ ہے کہ وہ خدائے بزرگ و برتر اپنی ذات اور اپنی صفات دونوں میں واحد ہے، ایک ہے، لاشریک ہے قرآن کریم نے ایک مختصر سی سورت میں خدا کی توحید کو اس جامعیت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ جوں جوں نگہ بصیرت اسپر غور کرتی ہے قرآنی اعجاز پر تصدق ہوتی جاتی ہے فرمایا:۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۱۱۲/۱ کہہ دو اللہ ایک ہے،

مجوسیوں کے عقیدہ کا بطلان

یعنی وہ اپنی ذات میں ایک ہے یہاں سے اوّلاً مجوسیوں کے اس عقیدہ کا بطلان ہوگیا۔ جس کی رو سے وہ اہرمن و یزداں کو دو مستقل بالذات خدا مانتے ہیں۔

وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنَ ۱۶/۵۱

اور اللہ نے کہا ہے کہ دو خدا مت بناؤ معبود تو صرف ایک وہی ہے۔ سو صرف مجھ ہی سے ڈرو

اور عیسائیوں کے عقیدہ تثلیث کی بھی تردید ہوگئی جس کی رو سے وہ باپ بیٹا روح القدس۔ ایک میں تین۔ تین میں ایک خدا کے قائل ہیں۔

يٰاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ

اللہ

عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ وَکَلِمَتُہٗ اَلْقٰھَآ اِلٰی مَرْیَمَ وَرُوْحٌ مِّنْہُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَۃٌ اِنْتَھُوْا خَیْرًا لَّکُمْ اِنَّمَا اللّٰہُ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ سُبْحٰنَہٗ اَنْ یَّکُوْنَ لَہٗ وَلَدٌ۔ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَکَفٰی بِاللّٰہِ وَکِیْلًا ۴/۱۷۱

اے اہلِ کتاب۔ تم اپنے دین میں حد سے مت باہر نکلو، اور خدا کی شان میں حق کے سوا اور کچھ نہ کہو۔ مسیح عیسٰی ابن مریمؑ سوائے اسکے اور کچھ نہیں کہ اللہ کا رسول اور اسکا کلمہ ہے۔ جسے اللہ نے مریم تک پہنچایا اور اس کی طرف کی روح ہے۔ سو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ۔ اور یوں مت کہو کہ خدا تین ہیں۔ باز آ جاؤ۔ تمہارے لئے بہتر ہوگا۔ معبودِ حقیقی تو ایک ہی معبود ہے۔ وہ صاحبِ اولاد ہونے سے منزہ ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اسی کی ملکیت ہے اور اللہ کارساز ہونے میں کافی ہے۔

دوسری جگہ ہے۔

لَقَدْ کَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰہَ ثَالِثُ ثَلٰثَۃٍ وَمَا مِنْ اِلٰہٍ اِلَّا اِلٰہٌ وَّاحِدٌ وَاِنْ لَّمْ یَنْتَھُوْا عَمَّا یَقُوْلُوْنَ لَیَمَسَّنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۵/۷۳

یقیناً ان لوگوں نے کفر کیا جو کہتے ہیں کہ اللہ تین میں کا ایک ہے، حالانکہ بجز ایک معبود کے اور کوئی معبود نہیں۔ اور اگر یہ لوگ ان باتوں سے باز نہ آئے تو جو لوگ ان میں کافر رہیں گے۔ انپر دردناک عذاب واقع ہوگا۔

یہ تو شرک کی پہلی قسم ہے کہ خدا کی ذات میں دوسروں کو شریک ٹھیرایا جائے یعنی ایک سے زیادہ خدا مانے جائیں دوسری قسم یہ ہے کہ اُسکے کاروبار میں۔ اُسکے حکم و ارادہ میں۔ دوسری قوتوں کو شریک کار سمجھ لیا جائے ہندوؤں کے عقیدہ کے مطابق برہما خدا کا نام ہے جو پیدا کرنیوالا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ وشنو صفت ربوبیت کا مالک ہے، اور شو فنا و ہلاکت کا خدا ہے۔ ان کے علاوہ تمام دیوی دیوتا مختلف شعبہ جات قضا و قدر کے مختار ہیں۔ قرآن کریم اسکی بھی تردید کرتا ہے۔

IQBAL ACADEMY PAKISTAN Library LAHORE 31254

مَا لَهُمْ مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا ۱۸/۲۶

لوگوں کے لیے اسکے سوا کوئی کارساز نہیں. اور وہ اپنے حکم میں کسی اور کو شریک نہیں کرتا جب کوئی اُسکے حکم وارادہ میں شریک نہیں ہوسکتا تو پھر کارساز کیسے بن سکتا ہے۔

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۶/۱۴

کہیئے کہ کیا میں اللہ کے سوا، جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنیوالا ہے اور وہ (سب کو) کھانے کو دیتا ہے اور اُسے کوئی نہیں کھلاتا کسی اور کو کارساز بنالوں کہیئے کہ مجھے حکم ہوا ہے کہ میں سب سے پہلے اسلام قبول کروں۔ اور تم مشرکین میں سے مت ہوجانا"

دیوی دیوتاؤں کے بعد انسانوں نے خدا کے رسولوں کو ہی خدا بنالیا یہ وہ خطرناک گھاٹی ہے جہاں سے دُنیا کے کسی سابقہ مذہب کے پیرو بچ کر نہیں نکل سکے حتے کہ بُدھ مت اور جین مت جن کی تعلیم میں خدا کا تصور ہی کہیں نہیں۔ اُن کی بھی یہ حالت ہوگئی کہ مہاتما بُدھ اور مہاویر کی وفات کے تھوڑے ہی عرصے کے بعد اُنکے بُت تراش لیے گئے! اور اُن کی عام پرستش ہونے لگی چین میں کنفیوشس نے دیوتاؤں کی پرستش کی مذمت کی تھی لیکن آج چین کے مندروں میں انہی کے مجسموں کی پوجا کیجاتی ہے اہل چین کا دوسرا مذہب TAOISM ہے اسکا بانی ایک لائبریرین LAO-TZE تھا۔ اس نے بھی کہیں بُت پرستی کی تعلیم نہیں دی۔ لیکن گزشتہ دو ہزار سال سے اُسکے بُت کی بھی پرستش ہوتی چلی آرہی ہے، جاپان میں مہاتما بُدھ کے مجسمات کے ساتھ ساتھ خدا کے مظاہر یعنی اس تلوار اور آئینہ کی پرستش بھی کی جاتی ہے جو اُنکے قدیم مذہب (SHINTO) کے مطابق سورج کی دیوی نے اپنے پوتے یعنی جاپان کے پہلے شاہنشاہ کے حوالہ کئے تھے مسیحیت میں حضرت عیسٰےؑ کی الوہیت کے ساتھ ساتھ انکے اور حضرت مریمؑ کے مجسموں کی پرستش کیجاتی ہے، ہندوؤں میں اوتار کا عقیدہ بھی اسی "رسول پرستی" کی جھلک ہے، قرآن کریم نے اس دروازہ کو اس مضبوطی سے بند کردیا کہ ذہن انسانی کی کوئی خوش عقیدگی اسے کھول نہ سکے، اسکی تفصیل آپکو رسالت کے عنوان میں ملیگی یہاں صرف ایک آیت پر اکتفا کیا جاتا ہے فرمایا۔

IQBAL ACADEMY LIBRARY Acc. No.

اکیاون جلدوں والا دو ترجمہ خوشنما قرآن مجید معہ تفسیر واضح البیان اردو

ترجمہ اوّل لفظی حضرت شاہ رفیع الدین صاحب محدث دہلوی، ترجمہ دوم بامحاورہ

اردو حضرت مولانا مولوی اشرف علیصاحب تھانوی معہ مقدمۃ القرآن خط کی پاکیزگی۔ الفاظ کی نشست، حرفوں کی موزونی، کاغذ کی نفاست، چھپائی و صحت اعلیٰ درجہ کی قابل دید ہو، اس شان کا کلام مجید آپ کی نظروں سے نہ گذرا ہوگا زیر متن ترجمہ حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب محدث دہلوی کا درج ہو جس کو مسلمانوں کے تمام فرقے پسند کرتے ہیں۔ ترجمہ دوم حضرت مولانا شاہ اشرف علیصاحب مدظلہ العالی کا ہے۔ ہر پارہ علیحدہ علیحدہ ہے اور ہر پارہ کے شروع و آخر میں نہایت خوشنما بیل بوٹے ہیں جو ہر پارے پر سرورق کا کام دے رہے ہیں۔

حاشیہ پر خوب واضح اور مشرح تفسیر واضح البیان ہے جو تمام تفاسیر کا لب و لباب ہے، یہ مطبع نے بصرف زر کثیر خود تحریر کرائی ہے اس کے دیکھنے کے بعد دوسری تفاسیر کی ضرورت نہیں رہتی تمام ضروری مسائل پر حاوی ہے گویا جس گھر میں یہ قرآن ہے اس میں ہر وقت ایک مولوی صاحب موجود ہیں ہر روز پیش آنے والے مسائل کا پورا ذخیرہ ہے۔ ہر سورت کا تعویذ سورت کے ساتھ مع خواص و عمل کے حاشیہ پر درج ہے۔ تفسیر اپنی جامعیت میں بےمثل ہے، عربی سطور پر نہایت خوش رنگ حنا ہے۔ اس کی صحت مولوی احمد علیصاحب محدث سہارنپوری کے قرآن مجید سے مستند جماعت حفاظ و علماء نے جانفشانی سے کی ہو اوّل میں مبسوط اور جامع مقدمہ ہو، یہ تفسیر سیر و حدیث بدفع اعتراضات مخالفین و اعمال قرآنی کا ایک لاثانی ذخیرہ ہے۔ پہلے حصہ میں مخالفین اسلام کے اعتراضوں کے جوابات۔ دوسرے میں آفرینش عالم انسان سے پہلے زمین پر کون آباد تھا حضرت کی پیدائش۔ آدم سے لے کر حضرت عیسےٰ تک تمام پیغمبروں کی سوانح عمریاں۔ تیسرے میں ایام جاہلیت۔ آنحضرت کی نبوت کی ضرورت۔ حضور کی مکمل سوانحعمری مع غزوات۔ خلافت راشدہ۔ امام حسن علیہ السلام تک۔ امام حسین علیہ السلام کی شہادت چوتھے میں فضائل تعوذ۔ فضائل بسم اللہ، تلاوت کا ثواب۔ قرآن پڑھنے کی نیات قرآن شریف کے ظاہری و باطنی آداب۔ خواص القرآن۔ اسرار القرآن۔ قرآن شریف کتنے دنوں میں ختم کرنا چاہیئے۔ تنبیہ۔ فہرست مضامین قرآن۔ تعبیر نامہ خواب پارہ پارہ الگ۔ ہدیہ حنا شدہ مجلد پارچہ جالدار عہ مجلد چرمی سے کاغذ گلیز مجلد پارچہ للعہ مجلد چرمی سلائی جز بندی للعہ مجلد چرمی سنہری جز بندی کی سلائی للعہ (محصولڈاک ایک پر عہ دو پر عہ)

نوٹ: ہمارے ہاں ہر قسم کے خورد و کلاں مترجم و معری قرآن مجید و حمائل شریف بخورد بخایت اور عمدہ نہایت نفیس چھاپے ملتے ہیں۔

خوشنما قرآن مجید معری معہ اختلاف قرأۃ۔ یہ قرآن شریف بچوں کے لئے اور تقسیم کرنے کے لئے بہت بہتر ہے۔ لکھائی چھپائی بہت دیدہ زیب اور صاف ستھری ہے۔ صحت بہترین اور بصرف زر کثیر نہایت جانفشانی اور عرق ریزی سے کرائی گئی ہو۔ پارہ پارہ علیحدہ اور ہر منزل جدا جدا ہو۔ ہدیہ مجلد پارچہ کاغذ سفید ۱۲ ار چرمی جلد عہ کاغذ بادامی گلیز مجلد پارچہ عہ۔ جلد چرمی عہ

صلاح الدین حسام الدین تاجران کتب ترکمان دروازہ دہلی سے طلب کریں

مکمل فہرست صرف ایک کارڈ لکھکر مفت منگائیں

رجسٹرڈ ایل نمبر 4240

31254

اسلامی زندگی

اگر آپ کو معلوم کرنا ہے کہ اسلامی زندگی کیا ہے اور قرآن کریم انسانی زند
کو کس سانچے میں ڈھالنا چاہتا ہے تو کتاب "اسلامی معاشرت" کا مطالعہ فرمایئے اسکے مطالعہ
نہ صرف آپکے ذہن کو جلا اور قلب کو بصیرت حاصل ہوگی بلکہ زندگی کا نصب العین آپ
پر روشن ہوجائیگا اور عمل و کردار کی زندگی آپکو نصیب ہوجائیگی کتاب کے مصنف مشہور مبلغ
اسلام چودھری غلام احمد صاحب پرویز ہیں جنکی قرآنی بصیرت کے بارہا ثبوت مل چکے ہیں

قیمت چار آنہ (۴) محصول ۲ ۔ دفتر طلوع اسلام بلیماران دہلی

گفتگوئے مصالحت

قرآن کریم کی روشنی میں مسلمانوں کو سیاسیات حاضرہ میں کس طرح حصہ لینا چاہئے
مولانا ابوالکلام کا ایک دلچسپ مضمون بھی شاہراہ مقصود کے نام سے رسالہ میں شامل

قیمت مع محصول تین پیسے

دفتر طلوع اسلام بلیماران دہلی